ماہنامہ

حکمت بالغہ

نومبر 2011

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:- 0092-47-77628261

ای میل: hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:

http://www.hikmatbaalgha.com

http://www.hamditabligh.net

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ المعارج (70) آیات 1-15

سورۃ المعارج کے شروع میں انکار و تمسخر کی راہ سے عذاب جلدی مانگنے والے کافروں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ جس قیامت کے عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو وہ ایک دن آ کر رہے گا اور کسی کے روکے رک نہیں سکے گا۔ اور قیامت کا یہ دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کو تلقین کی گئی ہے کہ آپ ان کافروں کی احمقانہ حرکتوں سے تنگدل نہ ہوں اور صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں، ان کے خیال میں قیامت بعید از امکان ہے اور ہمارے نزدیک وہ بہت ہی قریب ہے۔ پھر بتایا گیا ہے کہ قیامت کیسی سخت چیز ہوگی اور جب وہ آئے گی تو ان مجرموں کا کیسا بُرا حشر ہوگا۔ اس وقت عذاب سے بچنے کے لیے یہ اپنے بیوی بچوں اور قریب ترین رشتہ داروں تک کو فدیہ میں دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے لیکن بچ نہیں سکیں گے۔ اس روز لوگوں کے ساتھ معاملہ ان کے عقیدے، اخلاق اور اعمال کی بنیاد پر ہوگا، عزم و ہمت والے نیک لوگ (جن کی آٹھ صفات ذکر کی گئی ہیں) عزت سے جنت میں جائیں گے۔ سورۃ کے آخر میں بھی نبی ﷺ کو صبر کی تلقین ہے کہ یہ لوگ جو حرکتیں کر رہے ہیں انہیں کر لینے دو، وہ دن دور نہیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس دن یہ اپنی قبروں سے تیزی سے نکلیں گے کہ ان کی نگاہیں (شرمندگی سے) جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيُطٰنِ الرَّجِيُمِ

بِسُمِ اللّٰهِ الرَّحُمٰنِ الرَّحِيُمِ

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ واقعٍ O

(ایک) سائل ایسے عذاب سے متعلق سوال کر رہا ہے

جس کا واقع ہونا یقینی ہے

لِلُکٰفِرِیُنَ لَيُسَ لَهٗ دَافِعٌ O

کافروں پر (اور) کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا

مِنَ اللّٰهِ ذِی الُمَعَارِجِ O

(اور وہ) بلند درجات والے اللہ کی طرف سے (ہوگا)

تَعُرُجُ الُمَلٰئِكَةُ وَ الرُّوُحُ اِلَيُهِ

اس کی طرف فرشتے اور روح چڑھیں گے

فِیُ يَوُمٍ كَانَ مِقُدَارُهٗ خَمُسِيُنَ اَلُفَ سَنَةٍ O

اس دن میں (نازل ہوگا) جو پچاس ہزار برس کا دن ہے

فَاصُبِرُ صَبُرًا جَمِيُلاً O

تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) (کافروں کی باتوں کو) حوصلہ کے ساتھ برداشت کرتے رہو

اِنَّهُمُ يَرَوُنَهٗ بَعِيُدًا O وَ نَرٰيهُ قَرِيُبًا O

وہ ان لوگوں کی نگاہ میں دور ہے اور ہماری نظر میں قریب ہے

يَوُمَ تَكُوُنُ السَّمَآءُ كَالُمُهُلِ O

جس دن آسمان ایسا ہو جائے گا جیسا پگھلا ہوا تانبا

وَ تَكُوُنُ الُجِبَالُ كَالُعِهُنِ O

اور پہاڑ (ایسے) جیسے دھنکی ہوئی رنگین اون

وَ لَا يَسُئَلُ حَمِيُمٌ حَمِيُمًا O

اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسانِ حال نہ ہوگا

يُبَصَّرُوْنَهُمْ ط يَوَدُّ الْمُجْرِمُ

(حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے

(اس روز) گنہ گار خواہش کرے گا کہ

لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ O

کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے دیدے، (جیسے) اپنے بیٹے

وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ O

اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی

وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُئْوِيْهِ O

اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا

وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا لا ثُمَّ يُنْجِيْهِ O

اور جو کوئی زمین میں ہے (غرض) سب کچھ دیدے

اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑالے

كَلَّا ط اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى O

لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا،

وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے کھال ادھیڑ ڈالنے والی

تَدْعُوْ مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى O

ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جنہوں نے (دین حق سے) اعراض کیا اور منہ پھیر لیا

وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى O

اور (مال) جمع کیا اور بند کر رکھا

صدق الله العظيم

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے

مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے　علامہ اقبال

1۔ امریکہ کا سرمایہ داری نظام ڈوب رہا ہے!

انجینئر مختار فاروقی

وہ سرمایہ داری نظام جس کا آج امریکہ علمبردار ہے گزشتہ تین چار صدیوں سے آگے بڑھتے بڑھتے انیسویں صدی میں (1850ء کے بعد) پوری دنیا پر چھا گیا اور اس نے عالمی معیشت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔اس کے ردّعمل کے طور پر بالشویک انقلاب آیا اور USSR کے نام سے امریکہ کے مدمقابل ایک عالمی طاقت ابھر کر سامنے آ گئی۔ پہلی نظر میں دیکھیں تو سرمایہ داری نظام پہلے تھا اور اس کے خاص استحصالی مقاصد تھے اسی کے ردّعمل کے طور پر انقلاب روس برپا ہوا تھا لہٰذا پہلے سرمایہ داری نظام ختم ہونا چاہئے تھا۔مگر سرمایہ دارانہ نظام کے علمبرداروں کو سوشلزم کی بقا اور استحکام میں اپنی موت نظر آئی نصف صدی کی سرد اور گرم جنگوں (COLD & HOT WARS) کے بعد USSR کو تحلیل کر کے سوشلزم کی بساط لپیٹ دی گئی۔

اہل علم کے نزدیک تو انقلاب روس کے بعد جلد ہی سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ ہونا یقینی تھا جیسے علامہ اقبال ساقی نامہ (بالِ جبریل) میں فرماتے ہیں:

گیا دورِ سرمایہ داری گیا تماشہ دکھا کر مداری گیا

مگر موجودہ مغربی نظاموں کے پیچھے جو ہاتھ سرگرم ہیں اور کارفرما ہیں ——— وہ اپنے مفادات کا بڑی چابک دستی اور منصوبہ بندی سے تحفظ کرتے ہیں اور اُنہوں نے ہی اس فاسد اور انسان دشمن سرمایہ دارانہ نظام کو اپنی ذاتی اغراض کے لئے اب تک تحفظ بھی دیا ہے بلکہ اپنی منطقی انتہا تک

پہنچا دیا ہے کہ اس سے آگے کوئی مرحلہ باقی نہیں ہے۔

علامہ اقبال تو آج سے 80 سال قبل ہی منتظر تھے کہ اس ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کی کشتی کب ڈوبتی ہے۔

ے کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر اے روز مکافات!

دیر آید درست آید......اب گزشتہ چند سالوں سے امریکی معیشت ہچکولے کھا رہی ہے اور کوئی سال ایسا نہیں آیا کہ اس میں معاشی بحران میں شدت نہ آئی ہو۔

2007ء امریکی معیشت کا ڈراؤنا سال ہے، 2008ء میں ڈوبتی امریکی معیشت کو عارضی سہارے پر کھڑے کرنے کے مصداق امریکی صدر بش نے 2008ء۔ 2009ء میں 1000 ارب ڈالر کا ریلیف پیکیج دیا۔مگر یہ پیکیج بے نتیجہ رہا اور ساری رقم ضائع ہوگئی۔ یہ ایک 1000 ارب ڈالر (پاکستانی کرنسی میں اندازاً 90,000 ارب روپے یا 900 کھرب روپے) بھی صدر بش نے بھیک مانگ کر پورے کئے۔ 300 ارب ڈالر سعودی عرب، کویت اور امارات سے 'خیرات' (نا قابل واپسی رقم) وصول کی اور 700 ارب ڈالر چین سے اُدھار لئے۔ (واضح رہے کہ 2008ء میں چین کے زرِمبادلہ کے ذخائر 2000 ارب ڈالر سے متجاوز تھے) قوم کو ریلیف پیکیج دیا تا کہ ہزاروں لاکھوں بے روزگار امریکیوں کو کارخانے چلا کر دوبارہ ملازمتوں پر بحال کیا جا سکے۔مگر صہیونی مافیا نے امریکی معیشت میں سے یہ 1000 ارب ڈالر کا سرمایہ مختلف حیلوں بہانوں سے (اپنی سرمایہ کاری کے طور پر) نکال لیا تا کہ ان کا سرمایہ تو محفوظ ہو جائے۔امریکہ جانے اور اس کے مسائل جانیں اس کی معیشت کی خرابی کا انجام جو بھی ہو وہ امریکیوں کا مقدر۔

اب 2010ء۔2011ء کے سال میں یہ معاشی بحران اپنی انتہاؤں کو پہنچ گیا ہے۔ پہلے تو امریکہ دنیا بھر کا ایسا ساہوکار اور سیٹھ شمار ہوتا تھا جس کی بڑی مستحکم معیشت ہے مگر جنوری تا جون 2011ء میں امریکی معیشت کے اعداد و شمار اہل علم کے سامنے آئے تو اندازہ ہوا کہ امریکہ 15000 ارب ڈالر کا مقروض ملک ہے اور امریکی کانگریس اور سینٹ نے 15000 ارب ڈالر کی حد مقرر کر رکھی ہے کہ اس سے زیادہ قرضے نہ لئے جائیں۔اب یہ حد پوری ہو چکی ہے۔معیشت

خراب ہے خزانہ خالی ہے مزید قرضوں کی ضرورت ہے۔ امریکہ کی بد قسمتی دیکھئے (اور دنیا بھر کے مظلوموں کی آہوں، 92 ممالک میں سی آئی اے کی سیاہ سرگرمیوں میں بے گناہوں کے بہنے والے خون اور افغانستان وعراق میں خون مسلم کی ندیاں بہانے کا اس کے سوا کیا دوسرا نتیجہ ہوسکتا ہے) ملک کے قانون ساز ایوان امریکی انتظامیہ کو قرضے حاصل کرنے کی اس حد (LIMIT) میں اضافہ کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ 31 جولائی 2011ء کی تاریخ گزرگئی عالمی نشریاتی اداروں نے امریکی معیشت کے ڈوبنے اور غرق ہونے کے اعداد وشمار نشر کردیے۔ شاید امریکی معیشت کے ڈوبنے کی BREAKING NEWS کی صورت میں نشر کرنے کے لئے ہنگامی بنیادوں پر مزید چونکا دینے والے اعداد وشمار بھی تیار ہوچکے ہوں گے تاہم عین وقت امریکی انتظامیہ کو 2000 ارب ڈالر مزید قرض لینے کی اجازت مل گئی۔ یہ قرض کہاں سے آئے گا کون دے گا یا نہیں دے گا یہ الگ بحث ہے۔

ساری بحث کے نتیجے میں ایک بات طشت از بام ہوگئی کہ ـــــــــ امریکہ کا معاشی بھرم اور خوشحال ریاست کے دعوے سارے کافور ہوگئے۔ اب دنیا کے عام غریب ملکوں میں بھی عوام کو اخبارات اور نشریاتی اداروں سے پتہ چل گیا کہ امریکہ پہلے ہی 15000 ارب ڈالر کا مقروض ہے (جس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے) اور ابھی مزید 2000 ارب ڈالر کے اُدھار کے لئے امریکی صدر دورے پر نکلے گا اور 'جو دے اس کا بھی بھلا' اور 'جو نہ دے اس کا بھی بھلا' کی صدا بلند کرکے یہ رقم اکٹھی کرے گا۔

اہل نظر کو صاف دکھائی دے رہا تھا کہ یہ علامات امریکی معیشت کے کھوکھلے ہونے کی علامات ہیں۔ اس کا سب سے بڑا نتیجہ امریکہ (اور دیگر یورپی اور G-15 ممالک) میں بیروزگاری کی شرح میں بے پناہ اضافے کی صورت میں نکلا ہے۔ بے روزگاری کی شرح میں اضافہ سے اور بہت سے باروزگار لوگوں کے ملازمت سے فارغ ہونے کے قریب ہونے کے خوف سے، قسطوں پر لی ہوئی چیزوں کی قسطوں کی بروقت ادائیگی نہ کرسکنے کی شرح بھی بہت بڑھ گئی اور قسطوں پر چیزیں (فلیٹ کاریں، موٹر سائیکل، فریج، فریزر، دکانیں وغیرہ وغیرہ) دینے والے ادارے سینکڑوں اور ہزاروں کے حساب سے روزانہ دیوالیہ ہو رہے ہیں۔

بے روزگاری کا یہ عالم ہے کہ بے روزگار لوگوں کے لئے امریکہ کی کئی ریاستوں میں سرکاری لنگر خانے ہیں جہاں سے یہ لوگ دو وقت کھانا کھا کر END OF HISTORY کے دعویدار امریکہ کی عوامی سہولتوں اور روئے ارضی پر 'دنیاوی جنت' کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

گزشتہ کئی سالوں کی معاشی بدحالی کے ماحول میں جوان ہو کر اب یہ بحران ایک تحریک کی شکل میں رونما ہوا ہے۔ امریکہ عالمی سطح پر سب سے بڑی معیشت کا ملک، ترقی یافتہ، مستحکم، سپر پاور، اسلحہ، ٹیکنالوجی، سیٹلائٹ ٹیکنالوجی، سٹاروار کے ہتھیاروں سے مسلح ملک ہے اور یوں دنیا بھر کا 'چوہدری' اور عالمی گاؤں (GLOBAL VILLAGE) کا نمبردار ہے۔ عالمی معیشت کی اصل ڈوریں یہیں سے ہلتی ہیں۔ نیویارک امریکہ کا سب سے بڑا شہر اور عالمی معیشت کا گڑھ ہے۔ اس شہر کا بھی ایک خاص حصہ MANHATTAN کا علاقہ ہے یہاں ایک سڑک وال سٹریٹ (WALL STREET) ہے جہاں بڑے عالمی بنک اور اقتصادی ادارے ہیں اور دنیا کے اقتصادی لین دین کے کاروبار کا بڑا حصہ یہیں ہوتا ہے۔

موجودہ مغربی امریکی سرمایہ دارانہ نظام کی جان وال سٹریٹ میں بیٹھے چند ہزار افراد کے ہاتھوں میں ہے اور آج کے عالمی بگاڑ کے یہی لوگ ذمہ دار ہیں۔ وہ دنیا کی قسمت سے کھیلتے ہیں اور معاملات کو اِدھر اُدھر کر کے اپنی تجوریاں بھرتے رہتے ہیں۔

موجودہ عالمی بیداری اور عالمی سطح پر امریکی معیشت کے بحران کے عام ہونے سے وال سٹریٹ کے عالمی مافیا اور قبضہ گروپ کے خلاف عوامی معاشی حقوق کی یہ تحریک وال سٹریٹ سے اُٹھی ہے اور اس تحریک میں دیکھتے ہی دیکھتے جان پڑ گئی ہے امریکہ سے یورپ تک یہ تحریک درجنوں ممالک میں پھیل چکی ہے۔ لاکھوں کروڑوں پسے ہوئے عوام (سرمایہ داروں کے مظالم کی علامت) ـــــــ محنت کش مزدور اور ورکنگ کلاس کے لوگ اس تحریک میں شریک ہیں۔

☆ اس تحریک کا نشانہ سٹاک ایکسچینج اور عالمی بنک ہیں جہاں اس تحریک کے ہراول دستہ بننے والے لوگوں نے مستقل ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

☆ کیا یہ تحریک جلدی کامیاب ہوگی اور یا کچھ عرصے بعد اس کا نتیجہ برآمد ہوگا؟ یہ کہنا

مشکل ہے۔ سرمایہ دار اپنے مفادات سے آسانی سے دستبردار نہیں ہوتا۔ یہ تحریک طوالت اختیار کرے گی۔ ایک بات یقینی ہے کہ اس عالمی سطح کی تحریک کو دبانا ناممکن ہے اور امریکی معیشت کے حالیہ بحران کے پس منظر میں یہ تحریک زیادہ متحرک ہوگی، عوام سڑکوں پر آئیں گے، ہڑتالیں، کارخانوں کی بندش، معاشی بحران سے مزدوروں کا لے آف (ملازمت سے برخواست کرنا) (LAY-OFF) اس تحریک کے لئے جلتی پر تیل کا کام کرے گا۔

حرف آرزو میں اس بحث کو درج کرنے کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ ہماری آرزو ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کا 'سفینہ' کل کی بجائے آج ہی ڈوب جائے، انسان پر انسان خدا بن کر بیٹھا ہے اور سارے وسائل پر قابض ہے' یہ ناجائز قبضہ ختم ہونا ضروری ہے تاکہ ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق مل سکے۔ کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم غریب ہو یا امیر جو بھی انسان ہے دنیا میں آیا ہے اُسے زندہ رہنے کا حق ہے بہر حال اُسے یہ حق ملنا ضروری ہے۔ ہم اس حق کے لئے اپنی آواز اُٹھانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

ایک اور پہلو سے دیکھیں تو یہ تحریک اگلے ایک سال کے اندر اندر کامیاب ہوتی نظر آتی ہے اور امریکی معیشت ایسی ڈوبے گی کہ آج اس کی تباہی کی شدت کا اندازہ کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ وہ پہلو یہ ہے کہ ہمارے نزدیک عالمی معاملات کو ——— ایک مافیا ہے جو بڑی باریک بینی سے مانیٹر (MONITOR) کر رہا ہے اور ممکنہ حد تک اُس کو اپنے مفاد میں لے کر چلنے اور چلانے کی بھر پور کوشش کر رہا ہے یہ مافیا یہود کا ایک طبقہ ہے جو ZIONS کہلاتا ہے۔ اسی سے لفظ ZIONISM بنا ہے جسے عربی/اُردو میں صیہونیت کہتے ہیں۔

یہ طبقہ ——— بڑا موثر ہے۔ اسرائیل کا قیام، اس کو چلانا اور اس کی حفاظت اس کا مشن ہے یہی طبقہ عالمی معیشت پر بینکنگ کے مکروہ اور استحصالی نظام کی وجہ سے قابض ہے۔ امریکہ کے تمام ادارے، اس کی انتظامیہ، اس کی سینٹ اس کی کانگریس اس مافیا کے زیر اثر ہیں۔ وہ امریکہ سے اپنی مرضی کا ہر کام کرا لیتے ہیں اور انکار کی صورت میں امریکی صدر کو بھی 'صدر نکسن'

'صدر کینڈی' اور 'صدر کلنٹن' کی طرح نشانِ عبرت بنا دیتے ہیں۔

اس صیہونی مافیا کے قبضے میں دنیا بھر کا عالمی سطح کا میڈیا بھی ہے امریکی اخبارات ہوں خبر رساں ایجنسیاں ہوں، ٹی وی چینلز ہوں وہ سب اسی مافیا کی ملکیت ہیں۔ حتیٰ کہ سینما اور کمپیوٹر کے ذریعے پھیلنے والی بے حیائی کے سارے راستے بھی اس مافیا کے ہیڈ کواٹرز تک جاتے ہیں۔ امریکی ریاست کیلیفورنیا کا بدنامِ زمانہ علاقہ 'ہالی وڈ' پر اس مافیا کا قبضہ ہے۔ فلم انڈسٹری کے ذریعے بے حیائی کا فروغ تو ہے ہی ــــــــ اپنی مرضی کی چیزیں لوگوں کو دکھانا ــــــــ یہ اس مافیا کے منصوبہ سازوں کا سب سے بڑا مطمع نظر ہے جس سے یہ اپنے طے کردہ اور طے شدہ مقاصد ایک لمبی منصوبہ بندی کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔

اس تمہید کے ذریعے قارئین اس پوزیشن میں ہوں گے کہ وہ گزشتہ کئی سالوں سے عالمی سطح پر پھیلائی گئی اس 'افواہ' کی تہہ تک پہنچ سکیں کہ ــــــــ ساری دنیا کو ایک 'فرضی خبر' کے نام پر چونکا دیا گیا ــــــــ اس پر فلمیں، فیچر، تبصرے اور مضامین شائع کر دیے گئے۔ ہزاروں ویب سائٹس رائے عامہ کو گمراہ (DERAIL) کرنے کے لئے بنا دی گئیں۔ حتیٰ کہ اب یہ بات پاکستان جیسے ملک میں مقامی سطح کے اخبارات و رسائل تک پہنچ گئی ہے کہ بے شمار وجوہات کی بنا پر 2012ء کا سال عالمی سطح پر اور بالخصوص امریکہ پر بھاری ہے۔ اس کے لئے دلائل کے انبار لگا دیے گئے ہیں، کرائے کے اہلِ قلم نے اسکے حق میں دلائل جمع کر دیے ہیں۔ یہ دلائل NASA، GOOGLE EARTH، مذاہب کی دُنیا، علم فلکیات، آسمانی صحائف اور نہ معلوم کہاں کہاں سے لائے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی ہالی وڈ سے ایک فلم 2012ء پر بنائی گئی ہے جس میں ہالی وڈ (کیلیفورنیا) کو تباہ ہوتے دکھایا گیا ہے یہ فلم دو سال قبل پاکستان میں بھی ریلیز ہو چکی ہے۔

یہ سارا ماجرا ــــــــ غور فرمائیں کیا ہے؟ کون ہے جو امریکہ کی تباہی کے لئے عوامی اور عالمی سطح پر ذہن سازی کر رہا ہے اور امریکی انتظامیہ اور سی آئی اے اس کا نوٹس نہیں لے رہی۔ امریکہ میں اس بات کے عام کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امریکی عوام اس تباہی کے لئے ذہناً تیار رہیں اور جب کوئی ایسی صورت پیدا ہو یا کر دی جائے ــــــــ تو امریکی عوام اس پر کوئی

فوری اورنا گہانی خوفناک ردِعمل ظاہر کرنے کی بجائے اسے پہلے سے بتائی ہوئی 'تباہی' سمجھ کر قبول کر لیں۔ عالمی سطح پر کوئی امریکہ کی اس تباہی کے ردِعمل کے طور پر آواز نہ اُٹھے بلکہ لوگ اسے ROUTINE کی خبر سمجھیں کہ یہ بات تو میکسیکو کے ماہن کیلنڈر کے مطابق ہونی ہی تھی۔ یہ بات تو مریخ اور زمین کے گردشی معاملات میں گڑبڑ کے نتیجے میں متوقع تھی اور یہ اٹل ہے اورنا گزیر ہے۔ اچھا ہوا جلدی آ گئی اب آئندہ حالات نارمل ہو جائیں گے۔

ہمارے نزدیک وال سٹریٹ پر قابض عالمی صہیونی مافیا نے امریکی یا عالمی تباہی کے لئے 2012ء کا سال (بلکہ اس کے لئے خاص تاریخ بھی طے کر دی گئی ہے۔ 21/دسمبر 2012ء (21.12.2012 بروز جمعتہ المبارک) طے کر کے ایک دہشت اور خوف کا ماحول پیدا کر دیا ہے اور عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں کرنے والا بھی یہی مافیا ہے۔ تاکہ جب یہ مافیا ______ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے، امریکی معیشت میں سے سرمایہ نچوڑ کر امریکی معیشت کو تباہی تک پہنچا دے گا ______ تو عوام بیدار ہو کر اس مافیا کی طرف انگلی نہ اُٹھائیں اور عوامی غیض وغضب کا رُخ اس صہیونی/اسرائیلی مافیا کی طرف نہ ہونے پائے۔ بلکہ وہ محفوظ اپنے ٹھکانوں پر بیٹھے ہوئے سمیٹے گئے ہزاروں ارب ڈالر کے ڈھیروں کو دیکھ کر فرحاں و شاداں ہوں اور اپنے منصوبے کی کامیابی پر خوشیاں منا رہے ہوں۔

اس صہیونی مافیا نے امریکی عوام اور عالمی سطح پر رائے عامہ کو 21/دسمبر 2012ء کے دن امریکی تباہی کے لئے ہر طرح سے تیار کر دیا ہے کہ وہ اسے ایک واقعہ کے طور پر لیں گے۔ ایک BREAKING NEWS کے طور پر ENJOY کریں گے۔ بلکہ صورت حال ایسی بنا دی گئی ہے کہ ______ وہ اس دن کے لئے ذہناً تیار ہو کر ہفتوں پہلے سے ٹی وی سکرین کے سامنے موجود ہوں گے اور اس کا انتظار کر رہے ہوں گے لوگ دفتروں سے رخصت لے کر اس دن اور اس کے بعد کے دن فراغت سے گذارنے کی منصوبہ بندی کر چکے ہوں گے اور اس دن کی خبروں سے محظوظ ہوں گے۔

اس صہیونی مافیا کی 21/دسمبر 2012ء کو عالمی/بالخصوص امریکی تباہی کی فلموں،

فیچروں، خبروں، مضامین سے ہمارے نزدیک یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ موجودہ معاشی ناہمواریوں کے خلاف امریکہ کی وال سٹریٹ سے اُٹھنے والی یہ تحریک پھیلے گی اور نتیجہ خیز ہوگی اور دنیا (بالخصوص امریکہ) کیلئے بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہوگی۔ اس تباہی کو لانے والے بھی پوزیشن سنبھال چکے ہیں اور رائے عامہ بھی اس خبر کو ایک متوقع EVENT کے طور پر قبول کرنے کے لئے ذہناً تیار ہے۔

عالم اسباب میں یہی کچھ نظر آرہا ہے جبکہ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔ اللہ کے قانونِ عذاب اور قوموں کے عروج و زوال کے ضابطے قرآن پاک میں درج ہیں۔ جس کی رو سے تہذیبوں کی عمر پانچ چھ صدیاں ہوتی ہے اس لحاظ سے بھی مغربی تہذیب اپنے کمال کو پہنچ چکی ہے اور کمال کو پہنچ کر ــــــــــ دنیا کی تباہ ہونے والی ہزاروں سابقہ تہذیبوں کی طرح آج کی مغربی تہذیب بھی تمام اخلاقی اور انسانی اقدار کی پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد سمجھ کر انہیں تہذیبوں کے راستے پر چل رہی ہے۔ لہٰذا یہ تہذیب بھی اب اپنے آخری دن پورے کر کے فنا کے گھاٹ اترنے والی ہے۔ بقول اقبال

ے یہ تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
شاخِ نازک پہ جو آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (17:-16)

''اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا۔ تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا''

اس آیت کا مصداق عالمی سطح پر تمام ممالک کا حکمران طبقہ، بیوروکریسی اور آسودہ حال طبقات ہیں مگر G-15 ممالک کے ELITE CLASS کے ساتھ عوام کی اکثریت بھی اسی حالت کی جیتی جاگتی تصویر ہیں اور بالخصوص امریکی عوام اس آیت میں وارد کیفیات کا کامل نمونہ

ہیں، لہٰذا DIVINE INTERVENTION یقینی ہے کہ ایسی قوموں پر ہی اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے اور آئے گا۔ ناگہانی آفات، زلزلے، سیلاب اور طوفان آکر رہیں گے۔ یہ سب کچھ انسانوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی اور اعمالِ بد ہیں۔ لوٹ کھسوٹ کی پالیساں اور استحصالی نظام ہے جس میں دنیا کے انسانوں کی اکثریت جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہے جس کی وجہ سے یہ تہذیں، یہ قومیں، یہ ملک یہ حکومتیں عذاب الٰہی کا نشانہ بنیں گی جس کے بعد ع کریں گے اہل نظر نئی بستیاں آباد کے مصداق اہل حق اور آسمانی ہدایت کے علمبردار لوگ دنیا میں عدل و انصاف کے نظام کو قائم کریں گے اور دنیا کو عدل و انصاف کی دولت سے مالا مال کردیں گے۔ و ما ذالك على الله بعزيز

اس سرمایہ دارانہ نظام (CAPITALISM) کا ثمر ہیں ——— سودی نظام (INTEREST-BASED MONETARY SYSTEM)اور جاگیرداری نظام (FEUDAL SYSTEM) یعنی غیر حاضر زمینداری (ABSENTEE LAND-LORDISM)۔

جاگیرداری نظام اور غیر حاضر زمینداری کا نظام دنیا کے پس ماندہ مما لک میں اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہے اور بعض مما لک میں بدترین شکل میں موجود ہے اسی کی ایک شکل بادشاہت کا نظام ہے۔ برطانیہ وغیرہ میں تو علامتی بادشاہت ہے اور صیہونیت کے آلہ کار ادارے کے طور پر زندہ ہے تاہم بعض مسلم مما لک میں بادشاہت اپنی تمام خرابیوں اور مفاسد کے ساتھ موجود ہے۔

سودی نظام آج کی معیشت کی بنیاد ہے اور اس وقت عالمی سطح پر تمام مما لک کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ اس سودی نظام کے مقابلے میں کمیونزم اور سوشلزم کو آگے نہیں بڑھنے دیا گیا تاکہ عوام اسی نظام زندگی میں جتے رہیں جو فرسودہ، آزمائے ہوئے اور استحصالی پالیسیاں رکھتا ہے جس میں معاشرے کا ایک خاص طبقہ مراعات وصول کرتا ہے اور اکثریت کو صبح وشام کی باعزت روٹی اور ضروریات زندگی کا 'لالی پاپ' دے کر مطمئن رکھتے ہیں اور مقتدر طبقہ خود سارے وسائل پر قابض ہو کر ہر طرح کا عیش کرتا ہے۔

پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام اپنی تمام منحوس شکلوں میں موجود ہے اور چھایا ہوا ہے۔ سودی معیشت ہے۔ غداری کے صلہ میں انگریزوں کی عطا کردہ زمینوں پر جاگیرار (FEUDAL LORDS) قابض ہیں۔ ان کے علاقے باقاعدہ ان کی STATES ہیں جہاں ان کی عمل داری ہے اور آج بھی وہاں کے عوام اپنے آپ کو ان 'فرعونوں' کی رعیت سمجھتے ہیں۔

ایک تیسرا طبقہ بیوروکریسی کا ہے۔ سول بیوروکریسی ہو یا خاکی وردی کے ساتھ یہ طبقہ بھی ملکی وسائل کو لوٹ کر اب ارب پتی ہو چکا ہے اور ہمارے دشمن بھی NGO's کے نام پر انہیں ڈالرز بانٹ رہے ہیں جس سے یہ طبقہ ملکی معاملات میں فیصلہ کن حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اسی کو بعض جگہ ESTABLISHMENT بھی کہا جاتا ہے۔

ایک نیا طبقہ اب انڈسٹری کی بنیاد پر نو دولتیے تاجر اور کاروباری حضرات کا پیدا ہو چکا ہے جو ہر جائز ناجائز طریقے پر دولت سمیٹ کر اب ملکی سطح پر بھی اپنی بات منوانے میں بڑے مؤثر ہو گئے ہیں۔

ان طبقات کو کسی اصول اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا پابند بنائے بغیر یا ان کو ہٹائے بغیر پاکستان میں کسی مثبت تبدیلی کا دور دور تک کوئی امکان نہیں ہے۔

2۔ امریکی زوال کے پاکستان پر اثرات

امریکی زوال (AMERICAN DECLINE) اور سرمایہ دارانہ نظام کے زمین بوس ہونے کے کیا کیا اور کہاں کہاں اثرات پڑیں گے؟ یہ تو وقت ہی بتائے گا اور ایک طویل موضوع ہے۔ ایک خبر کے مطابق امریکی CIA دنیا بھر کے 92 ممالک میں اپنی سرگرمیاں جاری کیے ہوئے ہے امریکی زوال کے بعد یقیناً ان 92 ممالک کے عوام تو سکھ کا سانس لیں گے۔

پاکستان میں تمام مقتدر طبقات کی جڑیں امریکہ میں ہیں اور ان کے سو فیصد مفادات امریکہ سے ہی وابستہ ہیں اکثر کے بچے وہیں زیر تعلیم ہیں وہیں ملازم ہیں۔ اکثر کے کاروبار بھی وہاں ہیں اور لوٹا ہوا سرمایہ بھی امریکی بنکوں میں جمع ہے۔ امریکہ نے ہی ایک ماں کی طرح (دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی) ان طبقات کو اپنی امداد کا دودھ پلا کر جوان کیا ہے اور ان

طبقات کی زندگی امریکی امداد، اشیر باد اور سرپرستی سے ہی عبارت ہے۔

امریکی زوال سے گویا ان طبقات کی 'ماں' مرجائے گی ایک طرف اس زوال سے نئے استحصالی طبقات پیدا ہونا بند ہو جائیں گے اور دوسری طرف دنیا بھر میں موجود امریکی سہاروں پر زندہ یہ طبقات بھی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے اپنی موت آپ مرجائیں گے اس لیے کہ ان طبقات کی اکثر و بیشتر اپنے ممالک میں کوئی اساس نہیں ہے اور نہ اپنے ملک میں عوام میں ان کی کوئی جڑیں ہیں۔

ان حالات میں دنیا بھر کے مظلوم مقہور، پسے ہوئے غریب اربوں انسانوں کی طرح پاکستان کے عوام اور اس ملک کی نظریاتی اساس کی آبیاری کرنے والے لوگوں کے لئے بھی امریکی زوال میں امید کی ایک کرن موجود ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام کو جاگیرداری، سودی معیشت اور حرام کاروباری صورتوں سے آگاہ کیا جائے۔ بالخصوص باشعور طبقے کو ان کے مفاسد سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی جائے۔ توبہ کی عمومی منادی دی جائے۔ پاکستان کے قیام کے مقصد ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ'' کی طرف دوبارہ لوٹا جائے۔ دوقومی نظریہ (ایک طبقہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور آسمانی ہدایت کو مانتا ہے اور دوسرا طبقہ مفاد پرست اور خواہشات کا پجاری ہے) کو از سرنو اجاگر کیا جائے تاکہ پاکستان 65 سال بعد ہی سہی اپنے مقصد وجود کی طرف لوٹ سکے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

’مذہب‘ و ’دین‘
کے الفاظ کا حقیقی مفہوم اور صحیح استعمال

انجینئر مختار فاروقی

01۔ ’مذہب‘ اور ’دین‘ دونوں عربی کے الفاظ ہیں اور کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ان الفاظ کا حقیقی مفہوم اور CONCEPT کیا ہے؟ تا کہ ہر مسلمان کو یہ شعور ہو کہ ان الفاظ کا صحیح استعمال کیا ہے؟ اور بعد ازاں وہ اس کے مطابق ان الفاظ کو ادا کر کے اپنے ’سامع‘ یا مخاطب پر اپنا ’مافی الضمیر‘ واضح کر سکے۔

02۔ کسی زبان کے دو الفاظ قریب المفہوم تو ہو سکتے ہیں صد فی صد ہم معنی نہیں سکتے۔ انگریزی دان حضرات جانتے ہیں کہ انگریزی کے دو الفاظ LOOK اور SEE دیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم اہل علم جانتے ہیں کہ ان دونوں الفاظ کے معنی اور مفہوم میں فرق ہے۔ عربی دان حضرات کے لئے قرآن مجید کی ایک آیت مدعا کو واضح کرنے کے لئے اُمید ہے کہ کفایت کرے گی۔ عربی میں نَظَرَ، بَصَرَ، ’رؤیت‘ دیکھنے کے معنی میں آتے ہیں جبکہ حقیقتاً ان تینوں الفاظ کے حقیقی معنی میں فرق ہے۔ یہ آیت قرآن مجید میں سورۂ اعراف کی آیت 198 ہے

تَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَ هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ O

’’آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں دیکھتے ہو کہ (بظاہر) آنکھیں کھولے وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر (فی الواقع) وہ کچھ نہیں دیکھتے‘‘

03۔ مذہب اور دین کے الفاظ غلط العام ہو کر ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں تقریباً ’ہم معنی‘

استعمال ہوتے ہیں۔ یہ دینی طبقات اور رجالِ دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ امر بالمعروف اور 'نہی المنکر' کے تحت جہاں 'عمل' کی اصلاح کے لئے سعی فرماتے ہیں وہاں دینی 'تصورات' کی اصلاح اور دینی اصطلاحات کے صحیح پس منظر کے لئے بھی اصلاحی کوششیں جاری رکھیں تا کہ ہمارا دین اپنے صحیح ترین اور ٹھیٹھ 'اُصولوں' اور 'تفاصیل' کے ساتھ نئی نسلوں کو منتقل ہوتا رہے جیسا کہ وہ آج ہم تک پہنچا ہے۔

04۔ انسانی معاشروں میں افکار کا بدل جانا، جذبوں کا اضمحلال اور عمل میں نئی نئی باتوں کی در اندازی فطرتِ انسانی کا حصہ ہے اور ہر معاشرے میں اپنے نظریات اگلی نسلوں کو امانت سمجھ کر منتقل کرنا ایک اخلاقی فرض اور قومی امانت ہے۔ سیکولر معاشروں میں یہ بات اہم نہ ہو تو ٹھیک ہے' دینی لحاظ سے اپنے نظریات و افکار کی حفاظت اور اگلی نسلوں کو صحیح انداز میں منتقل کرنا لازماً ایک دینی فریضہ ہے۔

لہٰذا کسی خاص طبقے یا گروہ کو مطعون ٹھہرا کر بات آگے بڑھانا مقصود نہیں ہے اور نہ اپنے اسلاف پر حرف گیری کر کے اپنے 'زعم' میں کسی 'علمی برتری' کا احساس دلانا مقصود ہے بلکہ صدیاں گزر جانے کی بنا پر ظروف و احوال کی تبدیلی او زبان و بیان میں غیر ملکی اثرات کی وجہ سے مذہب اور دین کے الفاظ کے استعمال میں کچھ خلط مبحث آ گیا ہے جس کو واضح کرنا مقصود ہے تا کہ ہم مسلمان ــــــ اپنی علمی فکری اور دینی وراثت کا صحیح ادراک و شعور حاصل کر کے اپنے عمل کو صحیح کر سکیں اور بعد ازاں ــــــ اسی کا سبق ہم عصروں کو بھی دے سکیں ــــــ اور یہی صحیح سوچ اپنی نئی نسل کو بھی منتقل کر سکیں۔ و اللہ المستعان

05۔ مذہب اور دین کے الفاظ چونکہ دو اہم اصطلاحات ہیں جو عصر حاضر کے سب سے بڑے نظریے 'سیکولرازم' سے ٹکراتی ہیں؛ لہٰذا تحفظ دین کے نقطہ نظر سے بھی ضروری ہے کہ سیکولرازم کی یلغار میں اسلام کی ان بنیادی اصطلاحات کی حیثیت واضح طور پر سمجھی جائے۔

آج کے مغرب کا مادی غلبہ اور نظریاتی و فکری عالمی پھیلاؤ کوئی وقتی عمل (PHENOMENON) نہیں ہے بلکہ یہ گزشتہ چھ صدیوں کی کثیر الجہت کوششوں کا نتیجہ ہے جس میں جائز ناجائز اور اخلاقی غیر اخلاقی سرگرمیوں کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی گئی اس پر مزید ظلم،

جبر، تشدد، انسانیت کا قتل عام اور بعض قوموں کی نسل کُشی جیسے ہتھکنڈے بھی بے دریغ استعمال کئے ہیں۔ تاہم ع ''ہر کمالے را زوال'' کے مصداق اب مغرب کا زوال نوشتۂ دیوار ہے۔ اس پس منظر میں جب مستقبل کی ایسی تصویر کشی ہو رہی ہے جہاں اسلام کا ایک نمایاں اور انسان دوست خوبصورت کردار نمایاں ہو کر سامنے آرہا ہے تو ـــــــ اسلام کے دین یا مذہب ہونے کا صحیح شعور ضروری ہے۔ آئندہ عالمی سطح پر اسلام کا ایک آفاقی نظریہ کی حیثیت سے عالمی غلبہ حضرت محمد ﷺ کی (کتب احادیث میں وارد) پیشینگوئیوں میں واضح طور پر آیا ہے اور اب اس عالمی غلبہ کا وقت سامنے ہے۔ اسلام کا یہ غلبہ ــــــ ایک دین کی حیثیت سے ہوگا نہ کہ مذہب کی حیثیت سے۔

06۔ عربی میں مذہب کا لفظ 'ذھاب' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں جانا۔ اس سے اسم ظرف کے طور پر 'مَذْھَبٌ' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کے معنی 'راستہ' بنتے ہیں۔

حسن اتفاق ہے کہ مذہب کی دنیا میں بعض دیگر اصطلاحات بھی اسی طرح راستہ اور طریقہ کے معنی میں آئی ہیں اگرچہ آج وہ ایک جامد اصطلاح کے طور پر راسخ ہو کر 'دین' کے ہم معنی بن گئے ہیں۔

(i) **شریعت** کا لفظ عربی میں 'شرع' سے بنا ہے 'شَرِیعٌ' فعیل کے وزن پر اسم مفعول کے طور پر آیا ہے جس سے شریعةٌ مونث مستعمل ہے اس کے معنی وہ معروف راستہ جو عام چلنے کے لئے بنایا گیا ہو۔

(ii) **مسلک** کا لفظ عربی میں 'سلک' سے بنا ہے قرآن وحدیث میں یہ لفظ چلنے کے لئے آیا ہے یا اس کا مفہوم سفر طے کرنا ہے اس سے اسم ظرف کے طور پر مسلک کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جس کے معنی چلنے یا سفر طے کرنے کے لئے بنایا گیا راستہ ہی ہیں۔

(iii) **طریقت** کا لفظ عربی میں 'طریق' سے بنا ہے۔ 'طرق' سے فعیل کے وزن پر اسم مفعول کے طور پر 'طـــریـقٌ'، عربی میں راستہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جدید عربی میں یہ لفظ سڑک کے لئے بولا جاتا ہے۔ کسی بڑے انسان کے طرزِ عمل کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ 'طریقٌ' سے مونث کے طور پر 'طریقت' لفظ مستعمل ہے۔ اردو میں یہی لفظ 'طریقت' استعمال ہوتا ہے۔

(iv) **منہج** کا لفظ عربی میں 'نہج' سے بنا ہے اسم ظرف کے طور پر 'منھجٌ' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اسی سے مصدر کے طور پر 'منہاج' بھی آتا ہے اور زیادہ عام فہم ہے۔

07۔ مذہب کے لفظ سے ہٹ کر دین کا لفظ قانون، نظام، سزا و جزا اور بدلے کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں 'دِیۡنُ الۡمَلِك' کے الفاظ ہیں یعنی 'بادشاہ کا دین' یا بادشاہ کا رائج قانون اور سزا و جزا کا نظام۔ 'دین اللہ' کے الفاظ بھی ہیں جب مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کا غلبہ عیاں ہو گیا تو لوگ 'اللہ کے دین' میں گروہ در گروہ (کثرت سے) داخل ہونے لگے۔ 'یوم الدین' بدلے کا دن یعنی روزِ قیامت۔ اسی طرح ہجرت کے موقع پر جب آپ ﷺ نے مکہ چھوڑا ہے تو کافروں کو 13 سال حق تبلیغ ادا کرنے کے بعد اللہ کے حکم سے فرمایا: لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡن تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین۔ یعنی اہل مکہ ——— قریش کا بھی ایک دین تھا ——— یہ دین من گھڑت اور خودساختہ ضابطوں پر مبنی تھا۔ جو قانون بھی آسمانی ہدایت کی روشنی سے الگ رہ کر بنایا جائے گا وہ انسانی قانون (MAN-MADE LAW) ظالمانہ اور جابرانہ ہی ہوگا۔

دین کے لفظ میں ایک ہمہ گیریت ہے اور پوری زندگی پر حاوی ہونے کا داعیہ رکھتا ہے۔

08۔ قرآن پاک میں اسلام کے لئے دین کا لفظ آیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ (19:03)

''دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے''

زیادہ وضاحت کے ساتھ اور جامع و مانع حیثیت سے اسی سورۂ مبارکہ کے نویں رکوع میں آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ (85:03)

''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا اس سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا''

قرآن پاک میں تین جگہ آپ کی مقصد بعثت بیان ہوا ہے اور اس میں تینوں جگہ 'دین الحق' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں یعنی اسلام ایک دین ہے اور اللہ کا دین ہے نیز سچا دین ہے۔ یہ

مقامات سورۃ التوبہ آیت 33، سورۃ الفتح آیت 28 اور سورۃ الصّف آیت 9 ہیں۔ ہم یہاں سورۃ الصّف کی آیت دے رہے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَ لَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ O(61-09)

''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر (ﷺ) کو (آخری اور مکمل) ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو بُرا ہی لگے''

09۔ قرآن مجید سابقہ آسمانی کتب کے متداول نسخوں کا 'مُھَیمن' بن کر آیا ہے اور ان کے غلط اندراجات کی اصلاح کرتا ہے تاہم قرآن پاک اپنے مفاہیم اور اصطلاحات کے معانی کی بھی خود حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ خوش قسمتی سے 'مذہب' کا لفظ عربی کا ہونے کے باوجود قرآن پاک میں کسی معنی میں بھی نہیں آیا کجا یہ کہ ــــــ اسلام کے لئے آیا ہو۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں جو آپ کے ارشادات روایت ہوئے ہیں ان میں بھی اسلام کے لئے کہیں مذہب کا لفظ نہیں آیا۔ ایک روایت میں راستے کے مطلق معنی میں آیا ہے:

عن المغیرة بن شعبة قال کنت مع النبی ﷺ فی سفر، فاتی النبی ﷺ حاجته فابعد فی المذهب (ترمذی)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کسی سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ کو حاجت پیش آئی تو آپ راستہ میں دور تک گئے''

10۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ہمارے قرن اوّل (جو آپ ﷺ کی حیاۃ طیبہ کا زمانہ ہے) یا قرن ثانی (جو خلافت راشدہ کا دور مسعود ہے) میں اسلام کے لئے دین کا لفظ ہی استعمال ہوتا تھا اور اسلام کو ایک دین ہی سمجھا اور مانا جاتا تھا اور اسلام کے لئے 'مذہب' کا لفظ اس دور میں ہرگز مستعمل نہیں تھا۔ اسلام کا ایک ہی واحد تصور بطور دین کے چہار سو چھایا ہوا تھا اور وہی قرن اوّل کا طرہ امتیاز تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمسّک بالقرآن کی واضح دلیل۔

11۔ 'دین' کے لفظ کے ساتھ جو تصورات وابستہ ہیں ان کا نقشہ ذہن میں لائیے۔ دین ایک قانون اور ضابطے اور جزا و سزا کے نظام کا نام ہے اس قانون کو نافذ کرنے کے لئے دین الملک کی

طرح ایک علاقہ، ملک یا TERRITORY درکار ہے۔ اس علاقہ یا ملک کے حصول کے لئے جہاد اور قتال کے مراحل ناگزیر ہیں جہاں یہ قانون نافذ و غالب کیا جا سکے چنانچہ یہی وہ تصور ہے جو ایک مثالی مردِ مومن کا قرآن مجید نے دیا ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔

اسلام ——— دین ہے اور یہ نفاذ چاہتا ہے تا کہ اس ملک اور علاقے کے لوگ 'اللہ کے دین' کے عادلانہ اور منصفانہ ہونے کی برکات سے فیض یاب ہوسکیں۔ (بادشاہوں، ڈکٹیٹروں کا بنایا ہوا قانون جانبدارانہ اور ظالمانہ ہوتا ہے) انصاف، عدل، مساوات، حقیقی آزادی کے خوبصورت تصورات تو صرف آسمانی ہدایت کے تحت ہی مل سکتے ہیں۔

12۔ جب اسلام کے صدرِ اوّل میں دین کی اصطلاح واحد اصطلاح تھی تو یہ 'مذہب' کی اصطلاح مسلمانوں میں کیسے رواج پا گئی اور اس کے کیا اثرات پھیلے ہیں؟ اس بات کی وضاحت کے لئے ذرا ماضی میں تاریخ کے دھندلکوں میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔

آج ہم جو 'مذہب' کا لفظ بولتے ہیں وہ ہمارے مسلمان معاشروں میں دو معنی میں بولا جاتا ہے اور دو طرح کا ہی تاریخی پس منظر رکھتا ہے۔ آگے ہم ان دونوں قسم کے استعمالات کا قدرے تفصیل سے جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

13۔ اس اُمت کا سنہری دور بلاشبہ وہ دورِ مبارک ہے جو آپ ﷺ کی حیات طیبہ تک ہے (آغاز وحی سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک) اس دور میں دین سمجھنا اور اس پر عمل کرنا صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات اقدس کی کامل پیروی تک ہی محدود تھا۔ دین کا سچا مفہوم آج بھی وہی ہے جو اس مبارک دور میں تھا۔ بقول اقبال

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اُوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

ترجمہ: اے ایمان کے دعویدارو! اپنے آپ کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی کامل پیروی کی راہ پر ڈال دو کہ 'دین کامل' اسی کا نام ہے اگر کوئی (دانشور یا مفکر یا رہنما) ایسا نہیں کرے گا تو یہی (راستہ) تو ابولہب کا راستہ ہے۔

کسی مسئلے یا قضیئے پر فیصلہ کرانے کے لئے آپ ﷺ کی طرف رجوع ہوتا تھا۔ وہ چاہے قرآن پاک کے فرمان کی تشریح اور حقیقی مصداق کی تلاش کا مسئلہ ہو...... یا اس مسئلہ کی مزید تشریح اور تفاصیل کا معاملہ ہو۔ گویا پیغمبر ﷺ (فداہ اباؤنا و امھاتنا) کی ذات ہی دین کا محور تھی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان حق ترجمان پر عمل درآمد کے لئے جو بنیادی دو درجے بتائے گئے ہیں وہ دونوں مدارج آپ ﷺ کی ذات اقدس میں جمع تھے۔ ایک طرف آپ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نمائندے تھے اور دوسری طرف 'رسول' کی حیثیت سے 'مطاع' بھی۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں تیسرے درجے میں 'و اولوا الامر منکم' کا مرحلہ بہت کم مواقع پر آیا ہے اور جب یہ مرحلہ آیا بھی ہے تو جلد یا بدیر آپ ﷺ سے ملاقات پر مسئلہ کی وضاحت / توثیق ہوگئی اور 'سبیل المومنین' واضح ہوگیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ...... (04 - 59)

''مومنو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت (ذمہ دار) ہیں ان کی بھی۔ اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو......''

14۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کا دورِ مبارک ہے یہ دور وہ ہے جس میں آپ ﷺ کے تربیت یافتہ و با اعتماد ساتھی موجود تھے اور اُمت مسلمہ متحد تھی اور وحدت قائم تھی۔ یہ خلفائے راشدین 'عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم' میں سے ہیں جنہیں آپ ﷺ کی لسانِ حق ترجمان سے جنت کی بشارت ملی ہے۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسرے چھ اصحاب رضی اللہ عنہم بھی اُمت کے دانشور، عالی دماغ اور اُمت کا BRAIN TRUST کا مصداق کامل تھے۔ کسی مسئلے یا قضیئے میں ان کی طرف رجوع اور مشورہ سے مناسب فیصلہ صادر ہونے کے بعد اُمت میں کوئی ابہام یا شک باقی نہیں رہتا تھا۔ عشرہ مبشرہ کے علاوہ بھی کبارِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں فتح مکہ کے وقت موجود دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم

کا اعلیٰ درجہ ہے پھر بیعت رضوان میں شامل 1400 صحابہؓ تھے پھر اصحاب اُحدؓ 700 تھے پھر اصحاب بدرؓ 313 تھے پھر مہاجرین اعلیٰ درجے اور مرتبے کے حامل اصحابؓ تھے۔

اس کے علاوہ دیگر صحابہؓ بھی قرآن مجید کے نزدیک زندہ چلتے پھرتے دین کے 'گواہ' اور 'شہید' تھے ان کی موجودگی میں کسی دینی مسئلے میں اجتماعی سطح پر کوئی کجی اور زیغ کا جانتے بوجھتے (انسانی سطح پر ممکنہ حد تک) قبول کر لینا یا اس پر خاموشی اختیار کر لینا ناقابل تصور ہے اور یہی آپ ﷺ کی تربیت اور بے مثال صحبت کا ناقابل تردید اثر تھا جس کی مثال بعد کے کسی مصلح یا انقلابی کے ساتھیوں میں تلاش کرنا کارِ عبث ہے۔

اس دور میں بھی مجموعی طور پر دین کے تصورات سورج کی طرح روشن رہے اور یہی دور اسلام کا دورِ عروج یا سنہری دور یا مثالی دور شمار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ساری کامیابیاں انسانی سطح پر انسانی معاشرے میں انسانوں کے ذریعے ہی حاصل کی گئی تھیں۔

15۔ خلافت راشدہ کا یہی دورِ مبارک ہے جب اسلام دین کے طور پر ہی پہچانا جاتا تھا۔ ذاتی اور انفرادی زندگیوں کے نمونے اتنے زیادہ اور عام تھے کہ بس 'صحابیت' کا مقام ہی عوام کے لئے 'سند' کا درجہ شمار ہوتا تھا۔

انفرادی اور اجتماعی زندگی کے میدانوں میں ان اعلیٰ اور مثالی لوگوں کی موجودگی میں دینی معاملات میں قیل وقال اور اختلافات نہایت ہی کم تھے۔ اسلام ایک غالب قوت کے طور پر سامنے تھا اور حضرت عثمانؓ کا دور آتے آتے قیصر وکسریٰ کی عظمتیں قصہءِ ماضی بن چکی تھی۔

16۔ خلافت راشدہ کے بعد کے ایام میں کئی نشیب وفراز آئے مگر ایک مختصر عرصے کے بعد اسلام ایک وحدت (اور اُمت مسلمہ ایک متحدہ حقیقت) کے طور پر اگلی چھ صدیاں دنیا کے نقشے پر ایسا چھایا رہا کہ کوئی کسی میدان میں بھی مسلم تہذیب وتمدن علم وفن اور سیاسی وعسکری قوت کے سامنے نہ آسکا۔

اس دور میں قرنِ اوّل کا سا جذبہ، خلوص اور للّٰہیت تو نہ رہی مگر اسلامی فکر اور ایمان کے اعلیٰ انفرادی نمونے افراد کی حد تک موجود رہے۔ اجتماعی زندگی میں اب معاملات میں پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں اور اوپر درج آیت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ...... (04-59)

''مومنو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔ اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو......''

پر عمل کرنے کے لئے قرآن مجید اب تمدنی و انسانی ضرورت کے تحت (حفاظ کرام کے نظام کے باوجود) ایک مدوّن شکل میں سامنے تھا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ مبارک تک ہی ہو گیا تھا۔ بعدازاں اگلے 70-80 سالوں میں کسی قضیئے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے کے مصداق کے طور پر احادیث کو مدوّن و مرتب کیا جانے لگا اور جیسا کسی بھی انسانی تمدن کا خاصہ ہے کئی کوششوں اور چند نسلوں کے تعامل سے بہتر سے بہتر کی تلاش کے اُصول اور خوب سے خوب تر کے حصول کے جذبے کے تحت احادیث کے مجموعے بھی سامنے آتے چلے گئے اور ان احادیث کو پرکھنے کے انمٹ اُصول بھی ایسے وضع کر دیے گئے کہ دنیا کی کوئی اور قوم اپنے اکابر کے اقوال اور روایات کو پرکھنے کے اُصولوں کا اتنا اعلیٰ معیار پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہی کتب احادیث کی صحت کی حجیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ رہے کتب احادیث کے مندرجات تو بہرحال وہ قرآن نہیں ہے یقیناً انسانی ذہن کو سماعت، اخذ و محافظت اور دوبارہ روایت کرنے، الفاظ کے چناؤ اور راوی کا اپنی ذہنی سطح اور پیشہ کے لحاظ سے متن حدیث میں دخل تسلیم ہے مگر صحت روایات کا اس سے زیادہ درجہ انسانی معاشرہ میں ممکن ہی نہیں تھا اور نہ آج ہے۔

17۔ اسی دوسری صدی ہجری میں جب کہ مسلم اُمت کا رجحان' قرآنی آیت کے مصداق ______فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ پر عمل کرنے کے لئے' رسول اللہ ﷺ کے فرامین کے مدون کرنے کی طرف ہوا تو اُمت کے اہل علم اور INTELLIGENTSIA طبقے میں عملی زندگی کے تفصیلی احکام اور اسلامی حکومت کے ایک مدوّن شدہ قانون کی ضروریات پوری کرنے کا

احساس دامن گیر ہوا۔

یہ حضرت محمد ﷺ کا کمالِ تربیت تھا اور آپ کے ساتھیوں کی عالی ظرفی، علمی وفکری قابلیت اور ذہانیت تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ـــــــ تیسرے قرن میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تربیت یافتہ لوگ میدان میں اُترے تو اُنہوں نے تیرہ صدیاں قبل ـــــــ ایک ایسی جدید فلاحی ریاست کی ضرورتوں کا احساس کیا اور انہیں پورا کیا جو انسانی تہذیبی وتمدنی ارتقاء اور سائنسی وتجرباتی علوم کی بے پناہ ترقی کے باعث ضروریات زندگی کی فراہمی اور عملی زندگی میں آسائشوں اور تعیّشات کے اسباب کی فراوانی کے باوجود اسلامی ریاست وحکومت کو قائم رکھ سکیں۔

یہی دورِ مبارک ہے جب اسلامی قانون کو مدون کرنے کا کام ہوا ہے اور یہ کام تدوین حدیث کے ساتھ ساتھ شروع ہو گیا بلکہ یوں کہنا زیادہ حقیقت کے قریب ہوگا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ کے دور میں (دورِ بنواُمیہ کے اواخر میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے انتقال کے ساتھ) اسلامی زندگی کے جو زندہ عملی نمونے موجود تھے (عوامی سطح پر بھی اور حکمرانی کی سطح پر بھی) ان کے تجربات، رسوخ فی العلم اور معلومات ہی کی بنا پر قانون اسلامی کی تدوین کا کام شروع ہو کر تکمیل کو پہنچا۔

18۔ تدوین فقہ کا کام اُمت مسلمہ کے اجتماعی شعور اور اجتماعی ضمیر کی بیداری کا ایک ایسا بین ثبوت ہے اس پر جتنا فخر کیا جائے اتنا ہی کم ہے۔ یہ کارنامہ اُمت مسلمہ کو انصاف پسند دانشوروں کے نزدیک اقوام عالم کی تاریخ میں انسانی محنت سے تدوین پانے والے نظام ہائے قوانین کے میدان میں سرفہرست کھڑا کرتا ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے دوسرے نظام ہائے قوانین صدیوں میں انسانی تجربات کی رُو سے مدون ہو کر سامنے آئے جبکہ فقہ اسلامی نصف صدی سے بھی کم عرصے میں جدید انداز میں شق دار (CODIFIED) مدون ہو کر نافذ العمل بھی ہوگئی۔

اسی دور میں تدوین فقہ کے ضمن میں اُصول فقہ مدون ہوئے، قرآن مجید اور فرامین رسول ﷺ کی عبارتوں سے نتائج اخذ کرنا، مختلف الفاظ کے مصداق اور الفاظ کے استعمالات کے اثرات کے لحاظ سے قواعد وضوابط مرتب ہوئے اور قبول عام کے درجے کو پہنچ گئے۔

19۔ دنیا کے غیر مسلم معاشروں میں کیا اُصول ہیں؟ اور شخصیت پرستی اور HEROWORSHIP کے کیا انداز ہیں وہ رہے الگ۔......اسلام میں حضرت محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور بلاشک وشبہ آخری پیغمبر ﷺ تھے۔آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جلالت شان اور عظمت عالیہ کے باوجود معصوم نہیں تھے اس کے بعد کے ادوار میں کوئی بھی اس بات کا مدعی نہیں ہے۔لہٰذا اس دور میں جب فقہ کی تدوین کا کام سرانجام پایا، ایک سے زیادہ مکاتب فکر(SCHOOLS OF THOUGHT) کا وجود اسلامی معاشرے میں کسی نادیدہ جبر، مطلق العنان اور غیر مرئی مافیا کے تصور پر لکیر پھیر دیتا ہے۔ ایک زندہ صحت مند انسانی معاشرے کی طرح تدوین فقہ کے معاملے میں مسلمانوں کے درمیان بحث ومباحثہ، ردّوکدح اور اخذ ورد کے شاندار نمونے اور قابل فخر نمونے پائے جاتے ہیں جو ہمارے علمی ورثہ کا حسن ہیں۔

تین صدیوں کے تعامل اور ایک عالمگیر مسلم ریاست (یہ اسلامی ریاست فرانس سپین پرتگال سمیت نصف یورپ پر پھیلی ہوئی تھی۔شمالی متمدن افریقہ کا تمام علاقہ، وسطی ایشیا، ترکستان، ایران، افغانستان، روسی ترکستان اور آج کے پاکستان کے علاقوں پر مشتمل تھی۔جبکہ جنوبی ہند میں ممبئی کے پاس ساحل سمندر پر ہندومت کی عریانی وفحاشی کی بدنام زمانہ مندروں کی تہذیب میں سرفہرست سومنات کا مندر، غزنی کا ایک حکمران 1200 میل کا صحرا عبور کر کے 1030ء میں تاخت وتاراج کر چکا تھا) کے مستحکم اقتدار کے دوران حسن اختلاف کا حسین ترین منظر یہ ہے کہ کل چار فقہی مکاتب فکر پر اُمت کا اتفاق ہو گیا جو یہ ہیں:

☆ حنفی فقہ بانی حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (وفات 150ھ)

☆ مالکی فقہ بانی حضرت امام مالک رحمہ اللہ (وفات 179ھ)

☆ شافعی فقہ بانی حضرت امام شافعی رحمہ اللہ (وفات 203ھ)

☆ حنبلی فقہ بانی حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (وفات 241ھ)

بعد کے امت کے اہل علم وفکر حضرات نے ان چار مکاتب فقہ کے اندر ہی اپنا مقام پیدا کیا ہے۔

اسی طرح تیسری صدی ہجری میں کتب حدیث کے بہت سارے مجموعے سامنے آ گئے قرآن مجید کے بعد جیسے کسی ایک مکتبہ فقہ پر اتفاق ممکن نہیں اسی طرح انسانی معاشرہ میں کسی ایک

کتاب حدیث پر اصرار بھی انسانی نفسیات کے خلاف ہے۔ کتب احادیث کے مشہور چھ نسخے ہیں جو صحاح ستہ کہلاتے ہیں۔

1۔	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاریؒ	(وفات 256ھ)
2۔	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیری	(وفات 261ھ)
3۔	سنن ابی داؤد	سلیمان بن الاشعثؒ	(وفات 275ھ)
4۔	جامع ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	(وفات 279ھ)
5۔	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ	(وفات 273ھ)
6۔	سنن نسائی	قاضی ابوعبدالرحمٰن	(وفات 303ھ)

تاریخ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں فقہی مکاتب پر مذہب کا لفظ بولا جاتا تھا اور تاریخ گواہ ہے کہ اسلام ایک بڑی متفقہ حقیقت کے طور پر تسلیم شدہ تھا، وہ ایک دین تھا۔ مذہب کی اصطلاح پہلی مرتبہ ان فقہی مذاہب کے بارے میں استعمال میں آئی۔

یہاں تک کی گفتگو میں فقہی مکاتب فکر کیلئے مذہب (بمعنی راستہ) کی اصطلاح قابل فہم ہے اور اجتماعی اسلامی شعور کی صحت کی صد فیصد عکاس بھی۔ اسی کا دوسرا نام شریعت بھی ہے۔

20۔ انسانی معاشرہ صرف قانون کی لاٹھی کے سہارے نہیں چلایا جاسکتا اس میں اخلاق، اعلیٰ انسانی اقدار، دنیا اور اس کی آسائشوں سے بے رغبتی، تنہائی پسندی اور خالق و مالک سے غیر معمولی محبت کے اظہار کے طور پر شہروں اور آبادیوں سے دور جنگلوں میں بسیرا ڈال لینے جیسے داعیات اور INSTINCT بھی موجود ہیں۔

اسلام نے ان جذبات کو مہذب بنایا ہے اور مناسب حد تک ACCOMMODATE بھی کیا ہے کہیں CLASH کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایک واضح مثال ہے۔

اس اُصول کے تحت دوسری صدی ہجری میں ہی ـــــــــ اس میدان میں کئی شخصیات اُٹھیں اُنہوں نے مسلمان معاشرے میں آسودہ حالی، فراغت، اسلام کی عالمگیر حکومت کے دوران عوام کی جہاد اور ذاتی اصلاح سے عدم دلچسپی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کی اصلاح کی

کوششیں شروع کیں۔ چنانچہ اصلاح باطن، تصفیہ قلب، تجلیۂ روح، تہذیب نفس، رضائے الٰہی کے حصول کی سعی جیسی اصطلاحات سامنے آئیں اور قرآن مجید میں جو اصطلاح 'احسان' کے نام سے آئی ہے جس کے مشتقات حسنۃٌ، محسنٌ، احسنُ وغیرہ قرآن پاک میں کئی جگہ آئے ہیں۔ اللّٰہ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ...... اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ وغیرہ آیات اس درجہ احسان کی عظمت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ یہی اصطلاح حدیث پاک میں حضرت جبریل علیہ السلام والی حدیث میں بھی آئی ہے وہاں بھی احسان کا لفظ آیا ہے۔ اسی منہج پر جب کام ہوا تو ہماری تاریخ میں کئی تابندہ ستارے اس میدان کار میں مصروف عمل رہے ہیں اور آج بھی عظمت کے مینار متصور ہوتے ہیں۔ اس شعبہ کی ترقی کے ساتھ جو اصطلاحات اُمت میں رائج ہوئیں اور آج بھی وہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ مسلک اور طریقت کے ہیں۔ مرور زمانہ سے 'احسان' کی قرآنی اصطلاح پس منظر میں چلی گئی جبکہ 'تصوف' کا ایک مجہول النسب لفظ کثرت سے زبان زد عوام ہو گیا۔

احسان کہیں یا تصوف ـــــ انسان کے باطن میں موجود داعیات نفسانی ایک حقیقت ہیں اور تصفیہ قلب اور تجلیۂ روح کی ضرورت بہرحال مسلّم ہے اور ناقابل تردید حقیقت بھی اگرچہ تصوف کی اصطلاح در آنے سے بہت سے غیر اسلامی تصورات بھی باطنیت کے نام سے اس شعبے میں آ گئے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

21۔ اسلامی معاشرہ میں یہ اصطلاحات تقریباً بارہ سو سال تک بلا کسی ترمیم و تنسیخ کے رائج رہی ہیں۔ تا آنکہ اسلامی حکومت کے زوال اور مسلمانوں کی قرآن مجید سے عدم دلچسپی کے باعث اور فاطر فطرت کے اٹل قانون کے مطابق حکومت و ریاست مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئی اور مغربی و یورپی اقوام نے علمی و سیاسی و سائنسی برتری کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو آہستہ آہستہ قصہ ماضی بنا دیا۔ یہ دور مغربی اقوام اور مغرب کی بالادستی کا دور ہے اور مسلمان دورِ غلامی میں چلے گئے۔

22۔ انگریزی استعمار اگرچہ اٹھارویں صدی میں ہمارے ہاں آ گیا تھا اور 1857ء میں مسلم اقتدار مکمل طور پر ختم ہو گیا مگر اس عظمت پارینہ کے اثرات ابھی ایک صدی یا پون صدی پہلے

تک باقی تھے۔ہم یہاں صرف دین و مذہب کی اصطلاحات کے حوالے سے ہی بات کریں گے۔

ایک صدی قبل اور پاکستان بنتے تک ہمارے ہاں علمی گھرانوں میں اور باعمل مسلمانوں کے ہاں نام اس طرح رکھے جاتے تھے......قمر دین، شمس دین، محی الدین، نورالدین، چراغ دین، نظام دین۔ گویا دین کا تصور اور نظام دین کا تصور ماضی کی عظمت رفتہ اور صحت فکر کا غماز تھا۔ یہی اسلامی صحت فکر ہی تھی کہ کہیں 'مذہب' کے لاحقے سے نام نہیں رکھے جاتے تھے نہ اس کی کوئی سوچ مسلم معاشرے میں موجود تھی۔ اب تو پھر الحمدللہ نشاۃ ثانیہ کے اثرات ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد مسلمان بچوں کے نام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام پر رکھنے کا دور آچکا ہے۔

قارئین کرام! لفظ مذہب کا اسلامی تاریخ میں یہ پہلا استعمال تھا۔ــــــ دوسرا استعمال اس وقت شروع ہوا جب اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپی اقوام نے مسلمان حکومتوں کا تختہ اُلٹ کر جنوبی ایشیا سے لے کر شمالی افریقہ تک اپنا تسلط قائم کرلیا۔ کہیں خود قبضہ کرلیا کہیں پسند کی مسلمان حکومت کے پس پردہ رہ کر حکومت کی۔ سلطنت عثمانیہ یعنی اسلامی خلافت کی آخری نشانی بھی 1924ء میں ختم کردی گئی۔

اس مغربی یورپی استعمار نے جب قبضہ کیا تو اس کے ساتھ اس جابر قوم کے نظریات و خیالات بھی آئے زبان بھی آئی اور مفتوح اقوام پر اس کے اثرات تیزی سے پھیلتے چلے گئے۔

اس مغربی یلغار کے جلو میں انگریزی زبان نے ہماری زبانوں کو بھی متاثر کیا۔ یورپی اقوام میں ایک لفظ RELIGION یونانی اصل سے ماخوذ............مستعمل تھا۔ اس لفظ کے کوئی معقول معنی بھی نہیں ہیں۔ یورپ میں ریاست اور پوپ کی جنگ کے باعث ریاست حکومت اور اس کے معاملات کو عیسائیت اور اس کے احکام کی گرفت سے آزاد کردیا گیا تھا وہاں عیسائیت وغیرہ کے لئے یہ لفظ RELIGION بطور تحقیر بولا جاتا تھا جیسا کہ یورپی اقوام میں ریاست و چرچ کی لڑائی کے پس منظر میں ایسا ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

یہ لفظ RELIGION جب ہمارے ہاں بالخصوص جنوبی ایشیا میں آیاــــــ تو یہاں اُردو میں اس لفظ کا ترجمہ 'مذہب' کردیا گیا۔

یہاں سے لفظ 'مذہب' کا ایک نیا اور جدید استعمال شروع ہوا ہے جس نے عام ہوکر اب ہماری اجتماعی سوچ کو بھی متاثر کر دیا ہے اور ہوتے ہوتے اب یہ لفظ اتنا عام ہے کہ پوری دنیا میں بھی اور پاکستان میں بھی شناختی کارڈ کا فارم ہو یا ڈومیسائل کا، بنک اکاؤنٹ کھولنا ہو یا ملازمت کی درخواست دینی ہو وہاں مذہب کا ایک کالم ہوتا ہے جس میں ہندو، عیسائی اپنا مذہب درج کرتے ہیں جبکہ مسلمان یہاں 'اسلام' لکھ دیتے ہیں۔ یہ کیوں ہوا اور مغرب والوں کے ہاں مذہب کا مفہوم کیا؟ یہ بہت اہم ہے۔

بیسویں صدی میں لفظ مذہب کے استعمال کو سمجھنے کے لئے دنیا میں حیات انسانی کے مختلف گوشوں کا ایک خاکہ سامنے لانے کی ضرورت ہے۔

انسانی زندگی ویسے تو ایک اکائی ہے اور انسانی نفسیات کا عمل دخل انسانی جسم اور اسی طرح انسانی معاشروں پر ایک ہمہ وقتی، ہمہ جہتی عامل کا ہے۔ اسی وجہ سے انسانی زندگی کے سارے گوشے باہم مربوط، ہم آہنگ، ایک دوسرے کے معاون اور محتاج (INTER-DEPENDENT) ہیں اسی سے انفرادی شخصیت پروان چڑھتی ہے اور اسی سے اجتماعی زندگی میں اُٹھان اور عروج کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

انسانی زندگی کے معاملات اور اعمال کی سب سے پہلی تقسیم انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کی ہے۔ انفرادی زندگی میں اس کائنات کے بارے میں انسان کے بنیادی نظریات (عقائد) آتے ہیں پھر انہیں نظریات و عقائد کی بنیاد پر انسان 'عبادات' یا WORSHIP کے تصورات رکھتا ہے، ان عبادات میں عبادت کے بھی طریقے آتے ہیں، عبادت گاہیں ہیں اور ان سے متعلق بہت سے اُمور ہیں۔ اسی طرح انفرادی زندگی میں معاشرتی سطح پر خوشی اور غمی کے مواقع پر اپنے جذبات کا اظہار ہے۔ شادی کے طریقے، خوشی کے اظہار کے طریقے، موت وفوت کی رسومات اور مردوں کو ٹھکانے لگانے کے طریقے بچوں کی پیدائش پر خوشی کا اظہار وغیرہ، میلے ٹھیلے اور کھیل کود کے انداز۔ یہ ہیں انفرادی زندگی کے شعبے یعنی عقائد، عبادات کے طریقے اور سماجی رسمیں۔

26 جبکہ اجتماعی زندگی کے شعبہ جات میں کسی ملک یا معاشرے کا سماجی نظام، مرد وزن کی حیثیت، معاشرتی نظام، میل جول کے انداز، مرد اور عورت کا لباس، پردہ، محرم رشتے اور رشتہ داریاں وغیرہ۔ دوسرے نمبر پر معاشی نظام ہے۔ معاشرے میں رزق کمانے کے طور طریقے، جائز ناجائز، حلال وحرام کے دائرے، کاروباری معاملات کے اُصول، زمینداری کے اُصول، تجارت کے اُصول، ملازمت کے اُصول وغیرہ وغیرہ سٹہ جواء، لاٹری کی حیثیت، سود، ناجائز منافع خوری کے احکام وغیرہ۔ تیسرے نمبر پر حکمرانی اور سیاست کے اُصول وضوابط ہیں۔ کسی ملک یا معاشرے میں اجتماعی نظام کیسا ہوگا۔ حاکم کون بنے گا کیسے بنے گا؟ اس کے اختیارات کیا ہوں گے قانون بنانے کا اختیار بنیادی طور پر کس کا ہے؟ عوام کا حکمران کے بنانے یا اتارنے میں کیا رول ہے؟ قانون سازی میں عوام کا کتنا عمل دخل ہوگا؟ حکمرانوں کے حقوق کیا ہیں؟ عوام کے حقوق کیا ہیں؟ عوام کی فلاح و بہبود کی حد کیا ہے؟ ٹیکسوں کا نظام کیا ہوگا؟ نظام تعلیم کیا ہوگا؟ پڑوسی ملکوں سے صلح وجنگ کے اُصول کیا ہوں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔

27 آج کی علمی ترقی کے دور میں انسانی زندگی کو ان چھ گوشوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

(1) انفرادی زندگی	☆	عقائد
	☆	عبادات (کے طریقے)
	☆	سماجی رسومات
(2) اجتماعی زندگی	☆	سماجی نظام
	☆	اقتصادی نظام
	☆	سیاسی نظام

موجودہ اصطلاحات کے استعمال کے اعتبار سے دیکھیں تو مغرب میں جو کچھ رائج ہے اور جیسے اُنہوں نے سیاست/ریاست اور مذہب کو کئی صدیوں سے علیحدہ کر دیا ہے اس کی روشنی میں زندگی کے انفرادی گوشے ☆ عقائد ☆ عبادات کے طریقے اور ☆ سماجی رسمیں مذہب (RELIGION) کہلاتا ہے اور انفرادی زندگی کا حصہ ہونے کی وجہ سے یہ حصہ آج کے مغرب یا عالمی سوچ کے اعتبار سے انسان کا ذاتی اور نجی معاملہ ہے اس میں اجتماعیت اور اجتماعی زندگی کا نہ

کوئی عمل دخل ہے اور نہ ہی انفرادی زندگی کے شعبے کی بنیاد پر کوئی شخص اجتماعی زندگی میں عمل دخل دے سکتا ہے کہ فلاں چیز ہمارے عقیدے میں یوں ہے لہٰذا اجتماعی زندگی میں بھی یوں ہی ہونی چاہیئے۔ آج اس کی اہمیت سرے سے نہیں ہے۔

اسی سوچ کا نتیجہ ہے کہ مذہب انسان کا ایک نجی معاملہ بن گیا ہے ایک انسان نجی سطح پر خدا کو مانتا ہے خدا پرست ہے مگر اجتماعی سطح پر وہ خدا کی بات دوسروں کے سامنے نہیں کر سکتا دوسروں کے عقائد اور ہیں مگر مشترکہ معاشرے میں سب کے عقائد برابر ہیں۔ عقائد کی صحت مندی اور غیر صحت مندی آج سرے سے زیر بحث ہی نہیں رہی۔ کون سا عقیدہ صحیح ہے اور کون سا غلط یہ بات موضوع بحث ہی نہیں۔ اسی آزادی کا نتیجہ ہے کہ آج جدید معاشرے میں عقائد کی اہمیت سرے سے ہے ہی نہیں انسان خدا کو مانتا ہے یا بالکل نہیں مانتا ـــــــ دونوں برابر ہیں اور آپس میں میل جول رکھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ سارا معاشرہ مذہب بیزاری کی طرف جا رہا ہے کہ جب آزادی ہے اور عقائد اور مذہبی پابندیوں کی کوئی اہمیت نہیں تو عقائد مذہبی پابندیوں اور خلاف ورزی ہونے پر ضمیر کی خلش (GUILTY CONSCIENCE) ہونے کی مصیبت کوئی کیوں لے۔ لہٰذا سرے سے مذہب ہی کو خیر باد کہہ دو آزاد ہو جاؤ ـــــــ بس لامذہبیت یا حیوانوں کی سطح پر زندگی بسر کرو۔ جبکہ اجتماعی زندگی کے تمام شعبے سماجی نظام، اقتصادی نظام اور سیاسی نظام جسے آج جدید اصطلاح میں POLITICO-SOCIO-ECONOMIC SYSTEM کہتے ہیں۔ یہ جدید معاشروں میں کسی مذہب کی عملداری میں نہیں بلکہ آزاد طریقے پر چلتا ہے۔ اس میں عمل دخل تحقیق، ریسرچ، سائنسی معلومات، دوسرے ممالک کے تجربات اور انسانی ضروریات و رجحانات ہیں جو اجتماعی زندگی کو کنٹرول کرتے ہیں۔

اس کی مثال یوں ہے کہ اگر سائنس دان کہیں اور تحقیق سے یہ بات سامنے آجائے کہ شراب نقصان دہ ہے تو ملک کی پارلیمنٹ شراب پر پابندی کا قانون پاس کر دے گی مگر ـــــــ مذہب کی بنیاد پر کوئی کہے کہ ہمارے مذہب میں یا ہماری مذہبی کتاب میں شراب ممنوع ہے تو اسی بنیاد پر پارلیمنٹ کوئی ایکشن نہیں لے گی اور نہ ایکشن لینے کی مجاز ہے اور نہ ایسی بات کو کسی عدالت میں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ اجتماعی زندگی کے یہ تینوں شعبے مذہب اور اخلاق کی گرفت سے آزاد اور

آج کی اصطلاح میں سیکولر(SECULAR) کہلاتے ہیں۔

موضوعِ گفتگو مذہب اور دین کی اصطلاحات ہیں ۔ دورِ حاضر میں مغربی اور جدید معاشروں میں مذہب ایک محدود اصطلاح ہے اور کہنے کی حد تک مذہب یا خدا کا تصور ـــــ انسان اور خدا کا نجی معاملہ (PRIVATE AFFAIR) ہے۔ اس کا اجتماعی معاملات اور ریاست، حکومت، صلح یا جنگ اور قانون سازی سے کوئی تعلق نہیں۔

جبکہ اسلام کی تعلیمات کی تشریحات میں اسلام ایک دین ہے اور دین کے مفہوم کا جائزہ لیں تو قرآن پاک میں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ O

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو''

گویا اوپر درج کردہ تفصیلات کے مطابق دین کی اصطلاح ـــــ انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کے تمام چھ گوشوں پر حاوی ہے اور اسلام ایک دین ہے تو ان چھ گوشوں کو محیط ہے۔ جبکہ مذہب کی اصطلاح جو RELIGION کا ترجمہ کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے مذہب انفرادی زندگی کے صرف تین گوشوں کا احاطہ کرتا ہے اور یوں مذہب اجتماعی زندگی سے لاتعلق ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں دورِ حاضر کی اصطلاح RELIGION اور اس کے ترجمے 'مذہب' کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ہمارے مذہبی لٹریچر کی اصطلاح میں 'مذہب' تو فقہی مذاہب پر بولا جاتا تھا اور اب بھی مدارس میں بولا جاتا ہے۔ وہ اس RELIGION کے تصورات سے بہت مختلف ہے۔ لہٰذا ہمیں لفظ مذہب کی بحث میں ان الفاظ کے مفہوم کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ اگرچہ سننے والے اس کو خلط ملط کر دیتے ہیں اور غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہے۔

اس پس منظر میں جو لوگ مذہب کے مغربی تصور کو سامنے رکھ کر علماء اور رجالِ دین پر تنقید کرتے ہیں انہیں اپنی تنقید کا رُخ دراصل مغربی تعلیم یافتہ طبقے کی طرف کرنا چاہیے جو مذہب کے جدید مغربی تصور کا علمبردار ہے جہاں RELIGION مذہب کے ہم معنی ہے اور انفرادی

زندگی کے تین گوشوں کو بھی برائے نام محیط ہے اور اس پر عمل کرو یا نہ کرو تو کوئی باز پرس نہیں۔

یہ جدید تعلیمیافتہ طبقہ لفظ مذہب/ RELIGION کو مغربی سوچ کے مطابق ذہن میں لاتا ہے جبکہ اجتماعی گوشے اس کے ذہن کے مطابق اور مغربی تعلیم کے مطابق سیکولر ہونا ضروری ہیں۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ آج کے جدید تعلیم یافتہ حضرات میں دین کا واضح تصور موجود نہیں ہے مغربی تعلیم دین کے تصور کو بگاڑ دیتی ہے اور خود کوئی شخص بالا رادہ دین کا علم حاصل کر کے اسے سمجھ کر دین کا اپنا تصور صحیح کر لے اور اس پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ اس پر اللہ کا احسان ہوگا۔

اسلام کے لئے مذہب کے لفظ کا استعمال اور مغربی تصورات کی وجہ سے اس میں خلط مبحث کی ایک اور تاریخی وجہ بھی ہے۔ قارئین کرام اس کو بھی ذہن میں تازہ رکھیں تو ان شاء اللہ غلط فہمی سے بچنا آسان رہے گا۔

وہ وجہ یہ ہے کہ یورپی اقوام کے سارے عالم پر ظالمانہ اور غاصبانہ قبضے کے نتیجے میں جب ان کی حکومتیں قائم ہوگئیں اور خاص طور پر برصغیر پاک و ہند میں انگریز آگئے تو یہ موقع مسلمانوں کے لئے بڑا دل خراش اور جان کنی کا تھا۔ برصغیر میں بنگال سے لیکر کابل تک مسلمانوں کی حکومت تھی جسے یورپی اقوام بالخصوص برطانوی غاصبوں اور لیٹروں نے اپنی چالاکی عیاری اور تجارت کی آڑ میں دھوکہ دہی سے مراعات لے کر اور اسلحہ جمع کر کے مسلمانوں سے جنگیں شروع کر دیں۔ ہندو کو ساتھ ملا لیا اور حکمرانوں کو بے دخل کر کے خود حاکم بن بیٹھے۔

مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے اور انگریزوں کی حکومت کے قیام کا وقت اور انگریزی علوم و فنون کی آمد اور پھر RELIGION کی اصطلاح کا ترجمہ مذہب قرار پانا_____ چونکہ تاریخی طور پر ایک ہی زمانے میں ہوئے ہیں۔ جب مسلمانوں کا اجتماعی نظام محدود ہو کر دین اسلام کے اعتبار سے چھ گوشوں میں سے صرف تین گوشوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

اِدھر مغرب نے مذہب اور ریاست کو الگ الگ کر دیا تھا۔ مذہب/ آسمانی کتاب/ پوپ/ مذہبی رہنمائی کا کوئی عمل دخل ریاست یا حکومت میں نہیں تھا۔ اسی طرح کی صورت حال مسلمانوں کی حکومت چھن جانے سے ہوگئی کہ عملاً اسلام کی تعلیمات کا کوئی عمل دخل حکومت میں نہ

رہا جس سے عملی طور پر مسلمانوں کے لئے دین ـــــــ صرف انفرادی زندگی کے گوشوں میں محدود ہوگیا اور غسل طہارت کے مسائل، وضو نماز نوافل زکوٰۃ حج ذکر واذکار وغیرہ باقی رہ گئے۔ اگرچہ تحریک شہیدین اور اس کے علاوہ بھی دیگر مسلمانوں نے کوششیں کیں کہ مسلمانوں کی حکومت دوبارہ قائم ہو۔ تاکہ اسلام کے انفرادی احکام کے ساتھ ساتھ اجتماعی احکام کے مطابق زندگی کے معاملات چلائے جاسکیں۔ مگر طویل عرصے تک یہ کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں؛ لہٰذا عملی اعتبار سے اسلام کا بھی مغرب میں عیسائیت کی طرح معاملات حکومت / ریاست اور صلح و جنگ سے کوئی سروکار نہ رہا۔ ان دو صدیوں میں عوام کے ذہن میں اسلام کا آفاقی اور دینی تصور دھندلا گیا اور ذہن میں مغربی تعلیم کے زیر اثر یہ بات بیٹھ گئی کہ ہمارا دین اسلام بھی صرف ذاتی معاملات تک ہی ہے۔ اعاذنا الله من ذالك

اسلام جب ایک دین ہے اور اس دین کے لانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں جو پیغمبروں میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اتارا اور یہ آخری وحی ہے اور قیامت تک یہ اب ایک محفوظ کتاب ہے۔

آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی وجہ سے یہ قرآن پاک اب قیامت تک کے حالات کے لئے مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے حالات اسلام کے غلبے کے ہوں تب بھی اور حالات محکومی کے ہوجائیں یا اسلام دین سے گھٹ کے ایک 'مذہب' یا RELIGION کی سطح پر آجائے تب بھی قرآن کی آیات ہی ہماری رہنما ہیں اور ان سے روشنی حاصل کر کے ہی مسلمانوں کو زندگی گزارنا چاہئے۔

مسلمانوں کے انگریزوں کی غلامی کے دور میں مسلمانوں کو محکومی سے نکال کر اسلام کو دوبارہ ایک دین کی حیثیت سے ابھارنے کے لئے کئی شخصیات اُٹھیں جنہوں نے بھرپور کام کیا اور دینی تعلیمات اور قرآنی تعلیمات کا احیاء کیا ہے اس کے لئے ہر سطح پر کوششیں کی ہیں ان میں سے سب سے معروف شخصیت جسے قبول عام بھی حاصل ہوا ـــــــ وہ علامہ اقبال کی شخصیت ہے۔ وہ فرماتے ہیں ـــــــ کہ دین کیا ہے؟

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے جہاں دین کی تعلیمات کو ہر ممکن طریقے پر ہمارے لئے آشکارا کیا ہے وضاحت فرمائی ہے عملی نمونہ چھوڑا ہے اور عملی رہنمائی دی ہے صحابہ کرام ؓ کو اس کی عملی مثال بنایا ہے ـــــــ وہیں اسلام کی تاریخ میں ـــــــ اگر حکومت قائم ہو اور مسلمانوں کی اجتماعیت قائم ہو تو مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے اس کی طرف توجہ دلائی ہے

اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ (13:42)

''کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا''

اور............اگر دین مغلوب ہو جائے اور مسلمان فکری اعتبار سے انتشار کا شکار ہو جائیں تو فرمایا کہ مخلص اہل ایمان ضرور یہ کام کرتے رہیں۔

وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا وَ کُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ O(03-103)

''اور سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوط پکڑے رہنا اور (اس میں) متفرق نہ ہونا اور اللہ کہ اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا اس طرح اللہ تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ''

وَ لۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ O (03-104)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو قرآن کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے

والے ہیں‘‘

گویا دورِانحطاط میں بھی مسلمانوں کے اندر مخلص لوگوں کی ایک جماعت رہے جو دین کے تصور کو زندہ رکھے اور مسلمانوں کے لئے اسلام کو ’مذہب‘ کے تصور پر قانع نہ ہونے دے۔ بلکہ اسلام کے تصور کو ایک ’دین‘ اور پوری زندگی پر محیط ضابطہ حیات کے تصور کو اجاگر کرتی ہے۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کے پورے دین پر عمل اور انفرادی واجتماعی گوشوں میں دینی تقاضے پورے کرنے اور اسلامی حکومت کے قیام اور اس کو کامیابی سے چلانے کو اُمت مسلمہ کی ’حیات‘ قرار دیا ہے اور حکومت کے چھن جانے کو اُمت مسلمہ کی ’موت‘ قرار دیا ہے۔

اسلام دین کے طور پر زندہ رہتا ہے تو اسلام زندہ ہے اور اگر اسلام دین کے طور پر موجود نہیں بلکہ مسلمانوں سے حکومت چھن گئی ہے مسلمانوں محکوم اور غلام بنا لئے گئے تو ایسی صورت حال کو آپ ﷺ ایک فرمان میں اسلام کی ’موت‘ قرار دیا ہے گویا اسلام ایک زندہ حقیقت سہی مگر محکومی میں جا کر مسلمانوں کا تعلق اسلام سے منقطع ہو گیا۔ لہٰذا اگر مسلمانوں میں جذبہ پیدا ہو، مسلمان بیدار ہو جائیں اور جذبہ جہاد اور شوق شہادت پیدا ہو جائے اور دوبارہ اسلام کو ایک دین، ایک زندہ حقیقت اور ایک مثالی اسلامی ریاست بنانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں تو اسلام کی زندگی ہے۔ اس کے لئے دین کا علم حاصل کریں، قرآن کو پڑھیں۔ علامہ اقبال کے نزدیک تو قرآن مجید کو چھوڑ دینے سے ہی مسلمان غلامی میں چلے گئے اور قرآن مجید کو دوبارہ اختیار کرنے سے ہی اسلام کو زندہ کر سکیں گے یعنی اسلام کو بطور دین باقی دنیا کے سامنے لا سکیں گے۔ اسلام ایک دین ہے اور اس کو عالمی سطح پر ایک دین اور زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ایک اجتماعی نظام کے طور پر نمونہ بنا کر دکھانا ہماری ذمہ داری ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یقیناً اس کا بڑا اجر ہے۔ آپ ﷺ کا ایک مرسل فرمان ہے

قال رسول اللہ ﷺ: مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَ هُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ (دارمی عن الحسن مرسلاً)

’’رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو اس حالت میں موت آئی کہ وہ علم (اس نیت سے) حاصل کر رہا تھا کہ اس کے ذریعے اسلام کو زندہ کرے‘ اس کے اور نبیوں کے

درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔"

احیائے اسلام کی اصطلاح یہیں سے بنی ہے مسلمان جب احیائے اسلام کے لئے کوشاں ہیں تو وہ ایک زندہ قوم ہیں اور جب انہیں اسلام کے غلبے اور دین کو مقام بلند دلانے کی فکر نہیں صرف ذاتی نیکی کی فکر ہے تو مسلمان مردہ قوم ہیں۔اسی جدوجہد کی بنا پر ہمارے اسلاف میں کئی شخصیات ہیں جن کا لقب محی الدین مشہور ہوا ہے۔محی الدین ابن عربیؒ،محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ،محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کو بطور پر دین سمجھنے اور آج کے محکومی کے ماحول اور مغلوبیت سے نکال کر دین کا مقام دلانے اور اسلام کو زندہ کرنے کی جدوجہد میں حصے لینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین

اس جدوجہد میں نماز، روزہ،قربانی، حج کی طرح نمونہ اور اُسودہ آج بھی آپ ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ اور صحابہ کرامؓ کی سیرت کا مطالعہ ہمارے لئے سرمہ چشم کشا ثابت ہوگا ــــــــ اور ہمارے سوئے جذبوں کو جگانے کا کام دے گا۔بقول اقبال

؎ تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰؓ سوزِ صدیقؓ دے

آمین

صہیونیت

(1000ء تا 2000ء)

کامیابیوں کی راہ پر گامزن

انجینئر مختار فاروقی

صہیونیت بطور ایک گروہ کے ایک طویل تاریخ رکھتی ہے اور یہ تین ہزار سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہے۔ مختصراً ان کی تاریخ کے درج ذیل ادوار ہیں:

(I) برادرانِ یوسف (علیہ السلام) کی صورت میں ابتداء سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے 300 سال بعد تک (1800 ق م سے 1000 ق م تک)۔

(II) حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ عروج سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک۔ (1000 ق م سے 70ء تک)

(III) دورِ انتشار کے بعد دورِ شکستگی یعنی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹکراؤ ـــــــــ اسلام کے مقابلے میں کمر بستہ رہنا۔ (70ء سے 1000ء تک)

(IV) مسلمانوں کے مقابلے کے لئے 'حزب الشیطان' کی تشکیل اور علیحدہ تشخص کی تلاش میں کامیابیاں، بلندیوں کا سفر گیارہویں صدی عیسوی سے لے کر 2000ء تک۔

(V) 2000ء کے بعد

صہیونیت کی تاریخ 1000ء تا 2000ء اہم واقعات

☆ بغداد میں مسلم اقتدار کمزور ہوتے ہی صہیونیت نے پورے یورپ میں مسلمانوں سے

بیت المقدس واپس لینے کی مہم چلائی۔ تمام یورپی راجوں (LORDS) مہاراجوں (KINGHTS) اور بادشاہوں کو اس پر آمادہ کیا۔اس کو مذہبی رنگ (TOUCH) دینے کے لئے اسے صلیبی جنگ کا نام دیا۔عیسائی پادری گلی گلی نگر نگر ــــــــــ اس مذہبی جنگ کے نقیب بن کر عوام وخواص کو اس جنگ کے لئے تیار کر رہے تھے سازشوں کا جال پھیلا کر اور جنگی جنون پیدا کر کے سارا یورپ یروشلم کی طرف اُمڈ آیا۔مسلم علاقے سے زمینی تعاون اور لاجسٹک سپورٹ یہود نے خود مہیا کی اور اس طرح صلیبی جنگ شروع ہوئی اور بیت المقدس کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ یہ واقعہ 1098 یا 1099ء کا ہے۔

☆ بیت المقدس پر قبضے سے صہیونیت کو 'اسرائیل' کے قیام کا دھندلا سا امکان نظر آیا اور خوشگوار مستقبل کی صبح جانفزاء کا احساس ہوا اگرچہ ان کا یہ احساس پائیدار ثابت نہ ہوسکا۔

☆ بارھویں صدی میں تقریباً 90 سال بعد سلطان صلاح الدین ایوبی اُٹھے اور بیت المقدس کی بازیابی کے لئے جدوجہد کی۔ دوبارہ پورا یورپ بھر کر سامنے آیا اور مذہبی جنون کا یہ عالم تھا کہ یورپی راجے مہاراجے اس جنگ میں شرکت کے لئے پاپیادہ (ننگے پاؤں) سفر کر کے آرہے تھے۔ تاہم 20 سال یہ جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور بالآخر 1190ء میں مسلمانوں نے بیت المقدس واپس لے لیا۔ سلطان صلاح الدین کی عظمت، جواں مردی، خوش اخلاقی اور دشمن سے حسن سلوک کے قصے تمام یورپی مورخین نے بیان کئے ہیں۔ جبکہ صلیبیوں نے جب بیت المقدس فتح کیا تھا تو مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کیے تھے۔ (یہ فوری تقابل دورِ حاضر میں بھی افغانستان میں طالبان دورِ حکومت 1996ء تا 2001ء اور موجودہ امریکی سرپرستی میں قائم کرزئی حکومت کے طرزِ عمل میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔)

☆ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے ہاتھوں صہیونیت اور عیسائیت کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ یورپ 800 سال تک عالم اسلام کے مقابل نہیں ہوسکا۔

☆ اس واقعے سے صہیونیت کے سارے منصوبوں اور مستقبل کے خوابوں پر پانی پھر گیا اور مایوسی چھا گئی اگلے تیس چالیس سال یہود پس پردہ چلے گئے اور صدیوں یورپ عالم اسلام کے

مقابل نہ ہوسکا۔

☆ صہیونیت نے اس صورت سے دو نتائج نکالے ایک یہ کہ یورپ کے عیسائیوں پر بھروسہ کر کے کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے اور دوسرے مسلمانوں کو سبق سکھانے کے لئے عیسائیوں کے علاوہ کوئی دوسری طاقت تلاش کرنا چاہئے۔

☆ یہود نے یورپی حکمرانوں سے 1215ء میں انسانی حقوق کے نام پر اپنے لئے زندہ رہنے کے کچھ اُصول منوالیے۔ اس سے پہلے دنیا کے تمام عیسائی ممالک یہود کو اپنا دشمن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی تک پہنچانے والے اور بے اعتبار طبقہ سمجھتے تھے۔

☆ شہنشاہِ انگلستان (موجودہ برطانیہ) سے 1225ء میں انسانی حقوق کا ایک جامع اعلان کرانے میں بھی یہود کامیاب ہوگئے جسے انسانی حقوق کا میگنا کارٹا(MEGNA-CARTA) کہا جاتا ہے۔ مشہور کر دیا گیا ہے کہ انسانی حقوق کی اس سے زیادہ دستاویز نہیں ہے حالانکہ یہ دستاویز صرف یہود کے مفاد میں تھی اور اُنہوں نے ہی اس سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔

☆ یہود کا ایک طبقہ اپنے دورِ انتشار میں منگولیا (چین) جا کر آباد ہو چکا تھا۔ وہاں رابطہ کیا گیا اور وہاں سے چنگیز خان / ہلاکو خان کو تہذیب وتمدن، آسودگی اور مسلم دنیا کے ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے خزانوں کا لالچ دے کر عالم اسلام کے قلب بغداد پر حملے کے لئے آمادہ کیا گیا۔ چنانچہ تیرھویں صدی کے وسط میں یہ طاقت اُٹھی اور بڑھتے بڑھتے مسلم دنیا کو تہس نہس کر کے 1258ء میں بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور یوں مشرق وسطیٰ یعنی ایشیاء اور افریقہ کے علاقوں میں مسلم اقتدار کا بطور ایک سپر پاور اور عالمی طاقت کے خاتمہ ہوگیا۔ (اگر چہ اسلام نے انہیں فاتحین کی اولاد کو فتح کرلیا وہ مسلمان ہوگئے اور ترکستان میں عثمانی سلطنت 1400ء، ایران میں صفوی حکومت 1428ء اور ہند میں مغلیہ حکومت 1526ء قائم ہوگئی یہ سب انہی چنگیز خان اور ہلاکو خان کی اولاد تھے جو مسلمان ہوگئے تھے۔

☆ یہود نے یورپ کے مغربی علاقے سپین میں مسلم اقتدار کو بھی ختم کرنے کے لئے اپنی ساری توانیاں لگادیں عیسائیوں کو اُبھارا اور خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کر دی ابھی یہ کشمکش پندرہویں

صدی میں داخل ہوئی تھی ابھی جنگ جاری تھی کہ یورپ کے مشرقی علاقے جہاں شہنشاہِ روم بیٹھتا تھا‘ قسطنطنیہ اس کا پایۂ تخت تھا وہاں بڑا مضبوط قلعہ تھا، ایشیاء سے یورپ کا یہی واحد راستہ تھا۔ عثمانی سلطنت کے حکمران سلطان محمد فاتح نے 1453ء میں حیران کن انداز میں قسطنطنیہ فتح کر کے رومی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور اسلام مغربی یورپ میں تو تھا ہی، مشرقی یورپ سے بھی داخل ہو کر سارا علاقہ فتح کرتے ہوئے فرانس (پیرس) تک پہنچ گیا۔

☆ صیہونیت نے حواس باختہ ہو کر آخری کوشش کر کے 1492ء میں سپین میں مسلم اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور تمام مسلمانوں کو جلاوطن کرا دیا۔

☆ صیہونیت کو یورپ میں اپنا مستقبل مخدوش نظر آ رہا تھا لہٰذا کسی محفوظ ملک کی تلاش کے لئے کوششیں شروع ہوئیں۔ مسلمان پہلے ہی امریکہ کی سرزمین پر آتے جاتے تھے مگر رابطہ کم تھا۔ یہود نے پرتگال سے کولمبس نامی شخص کو آگے کیا اس نے ایک مسلمان رہنما (GUIDE) کے ساتھ سفر کر کے امریکہ پر جا قدم رکھے اور ایک بے آباد علاقے پر ڈیرے ڈالے۔ وہاں پہلے ہی انسان تھے آبادی تھی تہذیب و تمدن تھا۔ (اگرچہ یورپی مورخین جھوٹ بول کر یہ باور کراتے ہیں کہ کولمبس نے امریکہ دریافت کیا جھوٹوں پر خدا کی لعنت بے شمار)

☆ یورپ میں مسلمان سارے مشرقی حصہ پر قابض رہے اور چار صدیاں اسلامی جھنڈا لہراتا رہا۔ صیہونیت کے پرستاروں نے وہاں بھی سازشیں جاری رکھیں۔ مسلم علاقوں میں بھی اور عیسائی علاقوں میں بھی۔ حالانکہ عیسائی علاقے کے لوگ بھی مسلم اقتدار اور مسلمان حکمرانوں کے عدل و انصاف کے معترف تھے۔ اسی لئے یکے بعد دیگرے کئی یورپی ممالک سے اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یہودیوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔

☆ یورپ سے جلاوطن ہو کر یہود نے امریکہ میں پناہ لی اور برطانیہ سے لڑ کر امریکہ آزاد کرایا اور 1776ء میں جدید امریکہ کی بنیاد رکھ دی۔ امریکہ کے مقامی باشندوں کو امریکہ میں باہر سے آ کر یورپی آبادکاروں نے مار مار کر ختم کر دیا۔ مقامی باشندوں پر ظلم کی انتہا کرنے میں جارج واشنگٹن اور دیگر امریکی معروف لیڈر بہت نمایاں ہیں۔

واضح رہے کہ مقامی باشندوں کو ختم کرنے کے بعد امریکہ میں جو لوگ آج آباد ہیں وہ کوئی خاص نسل یا قوم نہیں ہے۔ جب امریکہ میں آباد کاری شروع ہوئی یہ نئی سرزمین تھی یہود وہاں اپنے مستقبل کے لئے جمع ہو رہے تھے یورپی ریاستوں اور حکومتوں کے باغی، قاتل، بھگوڑے جان بچانے کے لئے امریکہ فرار ہو رہے تھے اور عجیب بات ہے کہ اٹھارویں صدی تک امریکہ جانے کے لیے مراکش کی بندرگاہ سے سمندری جہاز روانہ ہوتے تھے اور مسلمان حکومت کو ٹیکس دے کر اور اجازت سے ہی جانا ممکن تھا۔

☆ پندرہویں صدی عیسوی میں یہود نے برطانیہ اور یورپ کے عیسائی علاقوں میں تحریک چلا کر عیسائیوں میں ایک (جدید عیسائیت کے نام) سے فارورڈ بلاک قائم کیا اُسے پروٹسٹنٹ کا نام دیا اور پوپ کے احکام سے اپنے آپ کو آزاد کر کے علیحدہ فرقہ منوالیا۔

☆ پوپ کے احکام سے آزادی اور یوں سمجھیں شریعت اور آسمانی احکام سے علیحدہ ہو کر بھی یہ عیسائی ہی کہلاتے تھے۔ پروٹسٹنٹ فرقہ نے اپنے لیے سود حلال کرنے کا اعلان کر دیا۔

☆ 1645ء میں بنک آف انگلینڈ کے نام سے ایک بنک قائم کر لیا۔ جس کے تمام ڈائریکٹر اور ذمہ دار بظاہر پروٹسٹنٹ عیسائی مگر دراصل یہود تھے۔

☆ اس بینکنگ کے نظام سے یہود یورپی معیشت اور بعد ازاں امریکی معیشت پر بھی قابض ہو گئے اور آج تک چلے آرہے ہیں۔ برطانیہ امریکہ فرانس کینیڈا کی حکومتیں یہود بنکاروں کی مٹھی میں ہیں۔ (اب حال ہی میں دنیا پر واضح ہوا ہے کہ امریکہ یہودی بنکاروں کا 15000 ارب ڈالر کا مقروض ہے۔)

☆ صہیونیت نے امریکہ میں دنیا سے الگ ریاست قائم کی وہاں ہر سطح پر اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے اگرچہ جمہوریت کا نظام متعارف کرایا گیا اور پوری دنیا میں آج تک اس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے مگر دراصل سارا نظام یہودی بنکاروں کے ہاتھ میں ہے۔ 1776ء میں آئین بنا اور امریکی حکومت قائم ہو گئی۔

☆ امریکی نظام میں نیو ورلڈ آرڈر سمویا ہوا ہے۔ یہ نیو ورلڈ آرڈر دراصل جیو ورلڈ آرڈر

ہے۔اسی نئے نظام کا نعرہ "FREEDOM" یعنی آزادی ہے یہ آزادی کا لفظ میرے اور آپ کے نزدیک آزادی کے مفہوم سے مختلف ہے اس لفظ میں صہیونیت کے عزائم دین دشمنی، خدا بیزاری، قتل انبیاء، وحی دشمنی اور آسمانی ہدایت سے بغاوت کا زہر شامل ہے آزادی یعنی ہر قانون، ہر اخلاق، ہر سماجی قدغن ہر اُصول اور ہر مذہبی پابندی سے آزادی گویا مادر پدر آزادی کا تصور، سرمایہ دارانہ نظام، سودی نظام کے ساتھ مل کر اس آزادی کے تصور نے امریکی معاشرہ کو جنم دیا ہے جہاں اب یہ تصور لبرل ازم (LIBRALISM) کی شکل میں عفریت بن کر سامنے آ چکا ہے۔ رہن سہن، لباس، مرد عورت کے تعلقات، کمانے کھانے کی آزادی نے امریکی معاشرے کی اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے۔(2006ء میں سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے

"OUR ENDANGERED VALUES:AMERICA'S MORAL CRISIS"

کے نام سے کتاب لکھی ہے اور لبرل ازم کے زہریلے اثرات کا رونا رویا ہے)

☆ امریکی معاشرہ لبرل ازم کا پرستار ہے جبکہ حکومت، اس کے عزائم اور منصوبے صہیونیت کے کنٹرول میں ہیں امریکہ ساری دنیا میں صہیونیت کے مقاصد کو آگے بڑھانے کا ذمہ دار ہے۔

☆ 1897ء میں عالمی یہودی کانگریس میں اسرائیل کے قیام کا فیصلہ ہوا۔

☆ 1906ء تک مسلسل سالانہ اجتماعات ہوتے رہے اور اس کام کے لئے طریقہ کار طے ہوا ہے جو PROTOCOLS OF THE ELDERS OF THE ZIONS کے نام سے مشہور ہیں۔

ان اُصولوں میں یہی درج ہے کہ بے حیائی، شراب اور جوئے کے ذریعے ساری دنیا کے عوام کو حیوان بنا دو، وہ بس کمائیں اور رقم عیاشی میں اُڑا دیں۔ یہودی اپنے مقاصد کے لئے منصوبہ بندی سے آگے بڑھیں اسرائیل قائم کریں اور پوری دنیا پر چھا جائیں اور عالمی صہیونی حکومت قائم کر دیں۔

☆ پہلی جنگ عظیم کے دوران ترکی نے جرمن کا ساتھ دیا۔ جرمنی کو شکست ہوئی۔ فاتحین نے جرمنی اور ترکی پر بے شمار تاوان لگایا اور پابندیاں لگائیں جس میں ایک بالفور ڈیکلریشن تھا کہ

مشرق وسطیٰ کو عثمانی سلطنت سے الگ کر کے وہاں آزاد حکومتیں بنا دی جائیں جبکہ فلسطین میں یہودیوں کو آباد ہونے کی اجازت دے دی گئی۔

☆ اس طرح 1917ء۔1948ء یہودیوں نے اپنی بے پناہ دولت کے سبب فلسطین میں زرعی رقبے اور تجارتی پلازے اور مارکیٹیں منہ مانگے داموں خرید لیں اور آباد ہو گئے۔

☆ دوسری جنگ عظیم 1937ء۔ 1945ء ہوئی تو امریکہ کو پرل ہاربر (نیویارک کی بندرگاہ) پر فرضی حملہ کا بہانہ بنا کر جنگ میں شامل کر دیا گیا اور جنگ کے خاتمے پر مئی 1948ء میں اسرائیل کا قیام عمل میں آ گیا۔

☆ اس اسرائیل کی حفاظت اور اس کے مقاصد کا حصول امریکی حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہر جائز ناجائز طریقے پر امریکی حکومت اس کو پورا کرنے کے لئے ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف عمل رہتی ہے۔ جہاں سے اسرائیل کو خطرہ ہو وہاں گڑبڑ پیدا کر کے حکومت بدل دینا، ملک کو دولخت کر دینا، حملہ کر دینا اس رویہ کے خدوخال ہیں۔ عراق، سوڈان، افغانستان، پاکستان اور مصر میں جو کچھ ہوا، ہو رہا ہے اور ہو گا ـــــــــــ وہ سب اسی منصوبے کا حصہ ہے۔

☆ صیہونیت نے امریکی معاشرے کو اخلاقی اعتبار سے کتنا گرا دیا ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ 1998ء میں شائع ہو کر نیویارک ٹائمز سے امریکہ کی BEST SELLER کتاب کا درجہ حاصل کرنے والی کتاب SLOUCHING TOWARDS GOMORRAH ,By ROBERT H.BORK یعنی امریکہ قوم لوط (علیہ السلام) کے سے انجام کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے اور 1998ء سے 2011ء اس صورت حال میں مزید خرابی پیدا ہو چکی ہے۔

اگرچہ ان صفحات میں ہم مختلف پیرایوں میں پہلے چار ادوار پر سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں تاہم اس تحریر میں ہم اوپر درج ترتیب کے مطابق تیسرے اور چوتھے حصے پر کچھ مزید اضافہ کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

1000ء سے 2000ء تک تاریخ انسانی کا دور بڑا گھما گھمی، مار دھاڑ، علمی ترقی،

سائنسی ایجادات اور حق و باطل کی واضح جنگوں اور حزب الشیطان بمقابلہ حزب اللہ کے بڑے بڑے یادگار (بلکہ عالمی سطح کے) معرکوں کا دور ہے۔ ان ہزار سالوں میں صہیونیت نے بہت سے پینترے بدلے ہیں اور مختلف ماسک (MASK) پہن کر اسلام یعنی مسلمانوں کو ہر چہار طرف سے زک پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کی ہے۔ کامیابی کا تناسب کس کے حق میں رہا یہ فیصلہ الگ ہے مگر یہ با صہیونت کے سینے کی مستقل جلن کا سبب رہے گا ــــــــ کہ اسلام اپنے ابتدائی دور عروج میں جہاں تک پھیل گیا تھا وہاں سے اسلام اور مسلمانوں کے قدم آگے ہی بڑھے ہیں، دشمن وہاں سے ہمارا صفایا نہیں کر سکا اور یہی حقیقت صہیونیت کے کارپردازوں اور اعلیٰ دماغوں کی راتوں کی نیند حرام کردینے کے لئے کافی ہے۔

یہ غور طلب امور جن کا ہم گزشتہ بحث پر اضافہ چاہتے ہیں وہ تین ہیں:

I۔ صہیونیت کے کردار اور دوسروں کو متاثر کرنے کا ہتھیار۔

II۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ، اسلام اور قرآن کی تعلیمات کو مٹانے لئے 'تقابل ادیان' کا راستہ اختیار کیا گیا۔ دراصل اس 'تقابل ادیان' کے فلسفے اور مضمون کا جو پیراہن ہے وہ اسلام اور قرآن مجید کی تعلیمات کا 'کفن' ہے۔

III۔ آج سے نصف صدی قبل صہیونیت نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے منزل کو قریب سمجھا تو ــــــــ تقابل ادیان کے فلسفے سے کئی قدم آگے اور اس سے کہیں زہریلا تیر پھینکا ــــــــ 'مکالمہ بین المذاہب'۔

ذیل کے صفحات میں انہیں تین امور پر قدرے روشنی ڈالی گئی ہے۔

1۔ صہیونیت کا دوسروں کو متاثر کرنے ہتھیار

صہیونیت دنیا کے دوسرے انسانوں سے مختلف انداز میں اپنے مخالفین کو متاثر کرنے کے طور طریقے اپناتی ہے اور اس طرح اپنا ہم خیال بنا لیتی ہے۔ اس ضمن میں اس کا ہتھیار عریانیت، بے حیائی اور حیوانیت ہے۔ انسان اگرچہ روح اور جسد کا نام ہے جہاں جسد انسانی ایک 'حیوان' کے مشابہ ہے وہیں 'روح انسانی' ایک اعلیٰ 'شئے' ہے جو انسان کو اخلاق و کردار، اصول

پسندی امانت دیانت خداشناسی اور خود شناسی کے راستے پر ڈالتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانوں کی اکثریت زیادہ تر اپنے جسمانی اور حیوانی تقاضوں کو ہی پورا کرنا اپنا وظیفہ سمجھتی ہے اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ صرف اسلام کے آنے کے بعد ہی عالم اسلام میں روحانیت کا چرچا رہا اور اسلامی معاشرہ روحانیت کے سایہ عاطفت میں آ گیا۔ ورنہ اجتماعی زندگی ہمیشہ عیش پرستی کا دوسرا نام تھی۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں علیہم السلام کا سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) انسانوں کی رہنمائی اور درحقیقت اتمام حجت اور قطع عذر کے لئے جاری فرمایا تھا۔ جو انبیاء کرام نے اپنی انتھک محنت کے ساتھ مخالفت کے باوجود پورا کر دیا۔ حضرت محمد ﷺ کے بعد اسلام کا دورِ مبارک ہے اور معلوم دنیا کے بڑے حصے پر انسانوں کا ایک بہت بڑا معاشرہ ــــــــــ ایک عظیم ترین سلطنت کی شکل میں صدیوں باقی انسانیت کے لئے نمونہ بنا رہا۔ اگرچہ یہ معاشرہ بھی گنتی کے اعتبار سے دنیا کی آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں نہیں رہا۔ غیر اسلامی دنیا ــــــــــ حیوانی سطح پر ہی زندگی گزارتی رہی اور اس خدا دشمنی، خدا بیزاری اور حیوانی سطح کی زندگی کو ایک فلسفہ بنا کر پیش کرنا اور اس کو فروغ دینا اور اس فلسفے اور اپنا مشن اور موٹو (MOTTO) بنانا اسی صیہونیت کے سر ہے۔ یونانی فلاسفہ ارسطو وغیرہ کے فلسفوں کو پہلے بھی اور گزشتہ چار پانچ صدیوں میں مذہب کے مقابلے لا کر فروغ دینا، ان کی تعلیمات کو منطقی انتہا تک پہنچا دینا ــــــــــ اسی صیہونیت کا کارنامہ ہے۔ اور آج کی دنیا کی 90% سے زیادہ اکثریت اس مغربی صیہونی پھیلائے ہوئے حیوانی طرزِ زندگی کے تحت ہی زندگی گزار رہی ہے۔

آیئے اس کی جھلک تاریخ اسلامی کے ایک واقعے سے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور مبارک ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ کردار کی حامل ایک عظیم جماعت موجود ہے اور اس کے زیر اثر ایک 'حقیقی انسانی' معاشرہ مشرق وسطیٰ کے بڑے حصے میں FHYSICALCY موجود ہے اور اعلیٰ انسانی اقدار، اعلیٰ سوچ، شرفِ انسانیت کی پہچان، احساس اور اس کی حفاظت کا شعور عام ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں 15ھ ۔16ھ میں بیت المقدس فتح ہوا۔ حضرت

ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ اس سیکٹر میں سپہ سالار تھے اور فوجوں کی کمان کر رہے تھے۔

بیت المقدس (یروشلم) کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور عیسائیوں کے پاس تھا قیصر روم کی حکمرانی اور عملداری تھی۔ مسلم افواج جب علاقہ فتح کرتی ہوئی بیت المقدس پہنچیں اور اس قلعہ کا محاصرہ کیا گیا۔ مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مسلمان زعماء ابھی اگلی منصوبہ بندی کا نقشہ بنا رہے تھے کہ قلعے کے اندر سے عیسائیوں کا پیغام آ گیا کہ:

''یہ قلعہ بہت مضبوط اور ناقابل تسخیر ہے۔ پھر ہماری مذہبی کتابوں میں ہے کہ یہ قلعہ کبھی فتح نہیں ہوگا۔ صرف ایک دفعہ فتح ہو جائے گا اور پھر اس فاتح کی نشانیاں بھی ہماری کتابوں میں درج ہیں اور ہم نے اے مسلمانو! تمہاری فوج میں دیکھ لیا ہے کہ ان نشانیوں کا حامل کوئی شخص نہیں ہے؛ لہٰذا تم محاصرہ ختم کر کے واپس چلے جاؤ، یہ قلعہ کبھی فتح نہیں ہوگا۔''

مؤمن کی بے پناہ فراست کے کیا کہنے! حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہمارے ذمہ دار اور سپہ سالار تو مدینہ (المنورہ) میں ہیں آپ مہلت دیں ہم انہیں بلا لیتے ہیں آپ نشانیاں دیکھ لیجئے گا...... ورنہ ہم محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جائیں گے۔ اس طرح مسلمان عیسائی دنیا سے تھوڑا وقت لینے میں کامیاب ہو گئے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج کر ساری صورتحال سے آگاہ کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا سفر اختیار کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے با اعتماد مشیر تھے انہیں قائم مقام خلیفہ بنایا اور خود یہ سفر اختیار کیا۔ یہ سفر تقریباً چھ ماہ کا تھا اور آپ اسی سفر میں بیت المقدس، دمشق، عراق، بصرہ، کوفہ وغیرہ کا دورہ فرما کر صفر 16ھ میں مدینہ واپس تشریف لائے۔

آپ کا یہ سفر ایک یادگار سفر ہے آپ نے صرف ایک غلام ساتھ لیا اور ایک اونٹ اور مختصر سامانِ سفر۔ سامان کے ساتھ ایک منزل آپ سواری پر بیٹھتے اور غلام پیدل چلتا اور دوسری منزل غلام اوپر بیٹھتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیدل چلتے۔ چشم فلک نے ایسا سربراہ مملکت نہیں دیکھا تھا یہ اسلام کے ایک مثالی حکمران کا نقشہ ہے۔ (آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کوئی دل سے ماننے والا حکمران بنے تو یہ نقشہ بھی دنیا دوبارہ دیکھ سکے) جس دن آپ بیت المقدس پہنچے اور استقبال کے لئے مسلمان فوج کے عمائدین کے علاوہ عیسائی مذہب کے زعماء بھی موجود تھے اس دن حال یہ تھا کہ

حضرت عمرؓ (سربراہ مملکت) پیدل اونٹ کی مہار تھامے آرہے تھے اور غلام اوپر بیٹھا تھا (کہ اس کی سوار ہونے کی باری تھی)

استقبال ہوا، ملاقاتیں ہوئیں، حضرت عمرؓ بیت المقدس کے قلعہ کے باہر تشریف فرما ہوئے عیسائی زعماء نے نشانیاں دیکھیں۔ ساری نشانیاں (جو ان کی کتابوں میں درج تھیں) موجود پائی گئیں۔۔۔(بطور جملہ معترضہ اس بات پر غور فرمائیں کہ اگر حضرت عمرؓ کی یہ نشانیاں نصاریٰ کے لٹریچر میں تھیں تو حضرت عمرؓ کے آقا حضرت محمد ﷺ کی کوئی نشانی درج نہیں ہوگی؟ یقیناً ہوں گی کہ قرآن سورۃ الاعراف آیت 157 میں یہی کہتا ہے اور پھر حضرت عمرؓ کی یہ نشانیاں کون سی کتاب میں ہیں اس کتاب کا نام حوالہ کہاں ملتا ہے شاید ویٹکین میں پوپ بینڈ یکٹ کے تکیے کے نیچے وہ کتاب ہو تو ہو افسوس کہ باقی دنیا کی کسی لائبریری میں وہ کتاب نہیں ہے)

یہاں تک کا واقعہ شاید آپ نے پہلے بھی سنا ہو۔ تاہم یہ ساری تمہید اگلی بات کو سامنے لانے کے لئے ہے جو اس 'صہیونیت' کے مزاج کو ظاہر کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

قلعہ بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ کا پروگرام بنا۔ ساری تفصیلات طے ہوئیں اور پروگرام کے مطابق مسلمان افواج قلعے کے اندر داخل ہوئی اور علاقے کا اقتدار سنبھال لیا۔ مگر اس دوران کیا ہوا۔ آیئے تاریخ کے ورق الٹتے ہیں:

عیسائیوں نے قلعہ تو مسلمانوں کو بغیر لڑائی کے دے دیا مگر ایک حربہ صہیونیت نے استعمال کیا کہ مسلم افواج کے مارچ پاسٹ کے تمام راستے میں دونوں اطراف عیسائی جوان عورتیں اپنی شوخیوں کے ساتھ بے لباس موجود تھیں۔ میدان جنگ میں نہ سہی میدان ثقافت اور ENTERTAINMENT کے میدان میں مسلمانوں کو فتح کرلیں۔ وہ فوج صحابہؓ کی تھی اور ان کا معیار اتنا اعلیٰ تھا کہ وہ اس وار سے زخمی نہیں ہوئے اور خود بھی بچ گئے اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی ناموس کو بھی بچا لے گئے کہ اس طرح اس پر حرف نہیں آیا۔

یہ طریقہ واردات صہیونیت نے اس وقت اختیار کیا تھا۔ (یہی طریقہ ہندو ہر فاتح کے ساتھ اختیار کرتا رہا ہے اور مسلمان فاتحین کے ساتھ بھی یہی کیا) اور آج بھی یہود و ہنود کے پاس اس طریق کے علاوہ دشمنوں اور مخالفوں سے بات منوانے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے اور آج کا مسلم

معاشرہ گواہ ہے کہ دشمن اس حربے میں بڑی حد تک کامیاب ہے۔ ساری فحش ویب سائٹس اسرائیل کی ہیں اور پاکستان میں بھی دیکھی جاتی ہیں جبکہ عالم عرب اسی کا پرستار ہے۔ انڈین فلمیں اور گانے ہمارے ہاں عام ہیں ہر بس پر ہر ہوٹل پر ہر چائے شاپ پر انڈین فلمیں ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے فوجی MESS اور فوجی اعلیٰ قیادت بھی اس سے مبرا نہیں ہے۔

ہماری سول قیادت اور آسودہ حال طبقہ کے دلوں کی دھڑکنیں بھی انڈین اداکاروں کے ساتھ ہیں تو نتیجہ وہی ہے جو اندازاً گاندھی کی بہو سونیا گاندھی نے 1998ء میں کہا تھا کہ ہم نے ثقافتی طور پر پاکستان کو فتح کر لیا ہے صرف جغرافیائی طور پر فتح کرنا باقی ہے۔ اناللہ............

2۔ 'تقابل ادیان' کی اختراع

یہ صیہونیت ہی کا کارنامہ ہے کہ جب یورپ میں پریس ایجاد ہوا اور صنعتی ترقی کے بعد یورپی اقوام ساری دنیا میں پھیل گئیں تو ہر جگہ مقامی افکار و نظریات کو مغربی نظریات سے ٹکراؤ کا مرحلہ پیش آ گیا۔ مقامی نظریات یا تو اپنی موت آپ مر گئے یا یورپی ترقی کے دلدادہ ہو کر یورپ کے رنگ میں رنگے گئے۔ اسلام، ہندوازم، بدھ ازم، کنفیوسش کی تعلیمات، عیسائیت اور در پردہ یہودیت کے مقابلے کے لئے رہ گئے۔

صیہونیت کا اصل مقابلہ تو اسلام سے ہی تھا۔ اگر صیہونی عالی دماغ اور منصوبہ ساز باقی سارے مذاہب کو بھی ختم کر دیتے اور صرف اسلام رہ جاتا تو دنیا کے سامنے حق و باطل کھل کر آ جاتے لہٰذا عالمی سطح پر ایک منصوبے کے تحت اور صرف مسلمانوں ہی کے علاقوں میں یہ مذاہب خود سہارا دے کر کھڑے کر دیئے گئے۔ حالانکہ درحقیقت یہ مذاہب بھی کسی عقلی و منطقی بنیاد پر پورے نہیں اُترتے تھے۔ خود انگریزوں نے سترھویں صدی میں ہندوؤں کے منتشر ویدوں کو اکٹھا کیا، انہیں ترتیب دیا، دوبارہ لکھا اور چھاپ کر ہندو مذہب کو بھی 'زندہ جاوید' کر دیا۔ صیہونیت کی اس ساری تگ و دو کا ایک ہی منشا تھا کہ کسی طرح اسلام کی انفرادیت اور حقانیت کو مشکوک بنا دیا جائے۔

اسلام یعنی حضرت محمد ﷺ کا دین کیا ہے؟

اسلام ـــــــــــ اللہ کا دین ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب اسی دین کے

حامل تھےاور جوں جوں انسانیت نے مادی ترقی کی اور سیاسی معاشی سطح پر ترقی ہوئی، علم آگے بڑھا اور تجرباتی علوم نے ہر شعبہ زندگی میں پیش رفت کی ـــــــ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام کو پہلے زبانی پھر صحائف، 'زُبر' اور پھر 'الواح' اور بعد ازاں کتابیں عطا فرمائیں۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تعلیمات میں یہ بات بالکل بدیہی تھی اور کلیدی حیثیت رکھتی تھی کہ ہر آنے والے نبی کو سابقہ نبی کے ماننے والے ضرور قبول کریں گے اور وہی راہِ حق پر سمجھے جاتے تھے۔ جو لوگ آنے والے پیغمبر کو کسی ذاتی غرض یا بے راہ روی کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تھے اُنہوں نے اپنے لئے کوئی علیحدہ نام اور شناخت پیدا کر لی۔ 'مسلمان' صرف انبیاءِ کرام علیہم السلام پر ایمان لانے والے ہی کہلائے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے مسلمان کہلاتے رہے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر جب اُنہوں نے آپ (علیہ السلام) کا انکار کر دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا 'مسلم' کہلائے جبکہ ایمان نہ لانے والے بنی اسرائیل یہودی کہلائے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے مسلمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں میں سے جو ایمان نہیں لائے وہ نصاریٰ یا عیسائی کہلائے۔ مسلمان صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ہی کہلاتے ہیں اب یہ خدائی فیصلہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں؛ لہٰذا اب قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت، اُمت مسلمہ ہے اللہ تعالیٰ کے نمائندے اور برگزیدہ لوگ ہیں جب تک اللہ کے دین پر عمل کرتے رہیں گے۔ جبکہ یہودی و نصاریٰ وغیرہ دیگر گروہ جو سابقہ انبیاء علیہم السلام تک ہی رہ گئے وہ اب گمراہ لوگ ہی کہلاتے ہیں۔

اس ساری بحث اور تفصیل کو بنی اسرائیل اور اس میں سے بھی 'یہود' یعنی صہیونیت کے پرستار سب سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یہ انہیں کے ذہن رسا نے شرارت کی ـــــــ کہ کسی طرح اسلام کی انفرادیت اور حقانیت کو مشکوک بنا دیا جائے اور آہستہ آہستہ انسانیت کو اسلام، یہودیت عیسائیت، ہندوازم، بدھ ازم، سکھ ازم وغیرہ کو ایک ہی سطح کے مذاہب باور کرا دیا جائے۔ یوں اسلام ـــــــ واحد 'دین' کی بجائے 'یکے از مذاہب عالم' کے درجے پر آ گیا اور اسلام ـــــــ 'الدین' کے اعلیٰ مقام سے گرا کر باقی گمراہ فرقوں اور ان کے خود ساختہ نظریات کے برابر ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا گیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باباگرونانک اور دیگر بانیانِ

مذاہب کی سطح پر لا کھڑا کیا گیا اور یہ کارستانی کسی ملحد اور انبیاء کا انکار کرنے والے نے نہیں کی بلکہ صہیونیت کے علمبرداروں نے کی جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے نام لیوا اور انبیاء کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سنت اور ضابطے کو بخوبی جانتے تھے۔

تقابل ادیان ــــــ ایک شعبہ علم

مغربی یورپی سیاسی وعسکری بالادستی کے نتیجے میں جب یورپی اقوام سارے عالم پر چھا گئیں اور اپنے بے پناہ مظالم کی وجہ سے مسلط ہوگئیں اور یورپی استعمار نے اپنے خونیں پنجے گاڑ لیے تو مغربی طرزِ زندگی اور علوم وفنون کا سیلاب آ گیا اور مغربی طرزِ تعلیم ہی واحد طریقہ تعلیم رہ گیا۔

کالج / یونیورسٹی کی سطح پر مذہب کی تعلیم کے شعبے میں ہر ملک میں تقابل کا مضمون اہمیت اختیار کر گیا۔ بظاہر یہ وسیع الظرفی کا نام دے کر ہر مذہب کے ماننے والے کو اپنے مذہب کے بارے میں اعلیٰ تعلیم کا راستہ کھولا گیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی تقابل ادیان کے نام پر باقی ادیان کی تعلیم بھی لازم ہوگئی۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان اسلام اور مسلمانوں کا ہونا تھا اور وہی ہوا ـــــــ کہ اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ دیگر مذاہب کے برابر کی صف میں لا کھڑے کئے گئے۔ جس سے ایک نتیجہ بڑا واضح تھا کہ ہر مذہب میں اچھی باتیں بھی ہیں۔ عقائد، عبادات، رسومات میں ذرا فرق ہے پیدائش پر خوشی، موت پر غمی اور مردوں کو ٹھکانے لگانے کے طریقوں میں بھی ذرا ذرا فرق ہے۔ بس یہ ضرورت باقی نہیں ہے کہ کسی ایک مذہب کو صحیح اور 'اصحّ' قرار دے کر باقی سب کو ختم کر دیا جائے بلکہ سب مذاہب میں کوئی نہ کوئی خوبی ہے اور ہر مذہب میں MERITS کے ساتھ ساتھ کچھ سختیاں اور پابندیاں (DEMERITS) بھی ہیں۔ لہٰذا آزادروی، لبرل ازم اور عیاشی والی زندگی کے دلدادہ لوگوں کے لئے اسلام کے مقابلے میں دوسرے مذاہب میں زیادہ کشش پیدا ہوگئی۔ بلکہ بیسویں صدی کے آخر تک مذہب کی اہمیت ہی اعلیٰ طبقات میں سرے سے ختم ہوگئی یا ختم کرادی گئی اور انسان پوری طرح آزاد خیال، لبرل، بے راہ رو، خدا بیزار، خدا ناشناس، دین دشمن اور آسمانی ہدایت کو خواہ مخواہ کی پابندیاں سمجھنے لگا اور بے دینی کی فضا عالمی سطح پر پھیل گئی لبرل ازم کا چرچا ہو گیا۔

---

(3) مکالمہ بین المذاہب(INTERFAITH DIALOUGE)

جب عالمی سطح پر مغربی تہذیب کے پھیلاؤ سے انسان قریب آ گئے مادی ترقی، سفر کی سہولتیں، ٹی وی، ریڈیو، فون، موبائل فون، ریل، ٹرانسپورٹ اور ہوائی سفر نے تمام دنیا کے براعظموں اور ملکوں کو ایک عالمی گاؤں (GLOBAL VILLAGE) بنادیا تو مغربی افکار کے زیراثر مذہب کی اہمیت کم ہوتے ہوتے اکثریت کے نزدیک بالکل ختم ہوگئی۔ اس وقت تقریباً 1970ء کے بعد سے مغرب نے تقابل ادیان سے ایک قدم آگے بڑھ کر ــــــ اب 'مکالمہ بین المذاہب' یا INTER FAITH DIALOUGE کا منصوبہ شروع کردیا۔ آغاز میں یہ بہت دھیمے اور غیر محسوس انداز میں تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ (1990ء کے بعد آکر) اس میں اسلام کے خلاف سختی اور تیزی آتی چلی گئی۔

صہیونیت کے نزدیک عیسائیت تو ان کا بغل بچہ ہے وہ چاہے PROTESTANTS ہوں یا CATHOLICS صہیونیت کے زیر دام ہیں یہودیت کے نام پر صہیونیت کا مذہبی طبقہ یا PRACTICING JEWS سامنے لایا گیا اور اُسے بڑا بے ضرر اور مظلوم بنا کر پیش کیا گیا۔ سکھ ازم اور ہندو ازم کے پرستار بھی مغربی اقوام کے ہم نوا ہی تھے۔ صرف اسلام ایک 'لوہے' کا چنا تھا جو صہیونیت کا اصل حریف اور مد مقابل تھا۔

'مکالمہ' بین المذاہب کے لئے سیمینار، سالانہ اجتماعات، دوسرے مذاہب کے علماء کے رابطے، ملکوں کی سیریں، وفود کے تبادلے، باہمی گفت وشنید کے ذرائع سے اسلام میں سے خاص طور پر کچھ جدید ذہن کے خریدے ہوئے لوگ سامنے لائے گئے۔ اس سلسلے میں صہیونیت نے اپنے زیراثر مسلمان ممالک کے حکمرانوں اور سرکاری علماء اور مذہبی سکالرز کو بھی استعمال کیا اور یوں ــــــ 'مکالمہ بین المذاہب' کا منصوبہ عالم اسلام میں پھیلا دیا گیا۔

صہیونیت کی طرح کے انسانی گروہ ــــــ جو نیکی، انسان دوستی اور اخلاق کے دشمن ہوتے ہیں وہ کوئی منصوبہ شروع کرتے ہیں تو اس میں کچھ بھلائی کے پہلو بھی ہوتے ہیں اور شر زیادہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی منصوبہ 'شر محض' یا 100% 'شر' ہو تو وہ منصوبہ چلے گا ہی نہیں۔ آخر لوگوں یا عوام کو دھوکہ دینے کے لئے پراپیگنڈا کرنے کے لئے بھی کوئی جواز درکار ہے۔ لہٰذا کچھ خیر اور

بھلائی دکھا کر اس منصوبے کو قابل قبول بنایا جاتا ہے اور مقصود صرف اپنے عزائم ہی ہوتے ہیں۔ اس طرح کا یہ منصوبہ ـــــــــ مکالمہ بین المذاہب کا بھی ہے جو ابھی تک جاری ہے۔اس کے موہوم فوائد اور مثبت پہلو بھی ہوں گے مگر اس کے منفی اور نقصان دہ پہلو زیادہ ہیں۔

اسرائیل کی ریاست......ایک ناجائز ریاست

صہیونیت اپنی شرارتوں، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں (علیہم السلام) کی گستاخیوں حکم عدولیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے ایک معروف سزایافتہ قوم ہے۔اس پر مزید قتل انبیاء (علیہم السلام) کا جرم ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور انسانوں کی نگاہ میں بھی ایک جرم عظیم ہے۔ یہ قوم آخری وحی کے مطابق ـــــــــ ایک 'مغضوب علیہم' قوم ہے۔

صہیونیت کو ایک سزا ملی ـــــــــ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بزعم خویش قتل اور سولی دینے کے منصوبے پر عمل کرنے سے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچالیا کہ اپنے رسولوں کو دشمنوں سے بچانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے (سورۃ المجادلہ) مگر اس منصوبے کے مطابق بنی اسرائیل کے اس گروہ نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ سزا تھی 70ء......آج سے 1940ء سال پہلے مشرق وسطیٰ پر ایک رومی فاتح ٹائٹس نامی جنرل حملہ آور ہوا اس نے یروشلم کو برباد کیا اور یہود کو جلاوطن کر دیا۔ یہ سزا تھی بنی اسرائیل کے لئے۔قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے (سورۂ بنی اسرائیل) یہاں سے بنی اسرائیل فلسطین سے بے دخل کر کے نکال دیئے گئے۔اس طرح یہ بنی اسرائیل جہاں سینگ سمائے پھیل گئے اور ہوتے ہوتے ساری دنیا کے اہم مراکز میں جا قدم جمائے۔صہیونیت ایک نسلی مذہب اور اجتماعیت ہونے کی وجہ سے دنیا میں منتشر ہونے کے باوجود حد درجہ منظم رہے۔ یہ اُن کا دورِ انتشار (DIASPORRA) کہلاتا ہے۔ یہ دور تقریباً دو ہزار سال پر پھیلا ہوا ہے۔

اس دوران یہ اصفہان، عراق، ہند، یونان، یورپ، قسطنطنیہ، چین، سپین وغیرہ میں سرگرم رہے۔اس دورِ انتشار کا (خود ان کے بقول) سب سے اچھا پر امن حسین اور یادگار دور...... مسلم سپین میں ان کا قیام ہے۔ جو آٹھ صدیوں پر محیط ہے مگر عربی محاورے کے مطابق "سمن كلبك يا كلك" (اپنے لاغر کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو وہ ایک دن تمہیں ہی کاٹ لے گا) سپین میں

مسلم اقتدار کے خاتمے کا سبب یہی یہود ـــــــــــ بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا گروہ یا صہیونیت کے علمبردار تھے۔(صہیونی ڈکشنری میں نیکی اور احسان کے بدلے میں شاید ایسا ہی درج ہے۔)

یورپی اقوام کے عروج کے دوران یہود نے اپنے پاؤں مضبوط کئے اور عیسائیوں کے ایک گروہ PROTESTANTS کو کھڑا کر کے اپنا آلہ کار بنالیا۔اس طرح صہیونیت کے منصوبہ ساز ساری یورپی حکومتوں پر قابض ہوگئے۔ 1776ء میں امریکہ برطانوی تسلط سے آزاد ہوا ـــــــــــ تو حیران کن امر یہ ہے کہ تخت برطانیہ پر بھی صہیونی قابض اور متصرف تھے اور امریکی آزادی کے علمبرداروں کے پشت پناہ بھی یہی تھے۔چنانچہ 1776ء اور آج کا دن (نومبر 2011ء)صہیونی امریکہ میں حکومتی ایوانوں میں سب سے مؤثر قوت ہیں۔حکومتوں کو بنانا اور گرانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بالفاظِ دیگر سارے امریکی زعماء صہیونی اور اسرائیلی اشاروں پر ناچتے ہیں اور اسرائیلی پالیسوں کو آگے بڑھانے پر ملازم ہیں۔

اسی طرح انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز تک صہیونیت کے علمبردار برطانیہ،فرانس،بلجیم، جرمنی، روس، ہنداور سلطنت عثمانیہ تک میں مکمل اثر ونفوذ رکھتے تھے۔

صہیونیت (یہود) نے سازشی کردار اور عالمی اثرورسوخ کی بنا پر پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانیہ اور امریکہ کے ذریعے پہلے یہودیوں کو یروشلم میں آباد ہونے کی اجازت دلائی اور پھر دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد اقوامِ متحدہ (UNO) بنا کر مئی 1948ء میں اسرائیل کا قیام ممکن بنادیا۔

مسلمانوں کے نزدیک اسرائیل کی ایک آزاد ریاست کا ناجائز قیام ـــــــــــ مقامی فلسطینیوں پر ظلم ہے اور قہر ہے اور یہ کسی طرح بھی یہودیوں کا حق نہیں بنتا۔اسی لئے اسرائیل کے قیام کے موقع پر ایک اخباری بیان میں قائداعظم محمد علی جناح نے اسے مغربی اقوام کا ناجائز بچہ (ILLEGAL CHILD) قرار دیا تھا۔اور اجتماعیت کے کسی اُصول سے بھی یہودی ریاست کا قیام جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جہاں تک مذہبی نقطہ نظر کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے۔

بیت المقدس ـــــــــــ جو آسمانی ہدایت کا مرکز، انبیاء کا تعمیر کردہ قبلہ اور عبادت گاہ تھی وہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے ماننے والوں کا ہی حق تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو

مل گیا اور چھ صدیاں ان کے زیر تسلط رہا۔ حضرت محمد ﷺ نبی آخر الزماں تشریف لائے اور اسلام پھیلا تو بیت اللہ کے ساتھ ساتھ بیت المقدس کی تولیت بھی مسلمانوں کو عطا ہوگئی۔ حضرت محمد ﷺ کو ہجرت سے دو سال قبل معراج ہوئی تو آپ کو مکہ (بیت اللہ) سے پہلے بیت المقدس لایا گیا۔ یہاں آپ کی ملاقات تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے ہوئی آپ نے ان کی امامت فرمائی۔ یہاں سے آسمان کا سفر شروع ہوا، واپسی یہیں ہوئی اور یہاں سے مکہ واپسی ہوئی۔ یہ سفر معراج اس بات کی علامت (SYMBOL) بن گیا کہ اب رہتی دنیا تک ــــــــــ بیت اللہ اور بیت المقدس کے متولی انبیاء کرام (علیہم السلام) کے ماننے والے اور حضرت محمد ﷺ کے پیروکار مسلمان ہی رہیں گے اور یہ انہیں کا حق بھی ہے۔

یہ بات بھی صہیونیت پر مسلمانوں اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا احسان ہے (جس کا بدلہ وہ انہیں گالیاں دے کر ادا کرتے ہیں) کہ جب بیت المقدس عیسائیوں کے پاس تھا تو یہودیوں کو وہاں داخلے کی بھی اجازت نہیں تھی اور جب مسلمانوں نے فتح کیا (637ء) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کا مقدس مقام ہونے کی وجہ سے ان کو بھی وہاں آنے جانے (VISIT VISA) کی اجازت دے دی۔ مگر اس پر پابندی رہی کہ صہیونیت کے علمبردار بیت المقدس میں آباد (SETTLE) نہیں ہوسکتے۔

برا ہو ــــــــــ صہیونیت کے پرستاروں اور علمبرداروں کا کہ وہ جلاوطن تو ہوئے اپنی شرارتوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی وجہ سے...... حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو موقع تھا ایمان لاتے ــــــــــ تو بقول قرآن پاک عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ [ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوں کے باوجود تم پر رحم فرمائے (اور تمہاری توبہ اور اسلام کو قبول فرمالے)] مگر اُنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام سے بیر تھا انہیں نہ ماننا تھا نہ مانے۔ آج بھی یہ ابلیسی گروہ اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے کمال ڈھٹائی سے اپنے غلط موقف پر جازم اور کاربند ہے۔

یورپی اقوام کا یہ جبر ہے کہ اسرائیل کے قیام (مئی 1948ء) سے آج تک مسلمان اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور دنیا کی آزاد اقوام بھی اس غاصبانہ اور ظالمانہ امریکی حمایت سے کھڑے ہونے والے ملک اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور مقامی فلسطینی لوگ

(مسلم اور غیر مسلم) مسلسل اپنے حق کے لئے حالت جنگ میں ہیں۔ انسانی حقوق کا علمبردار امریکہ اسرائیل کی حمایت میں جائز ناجائز اور صحیح و غلط کی کوئی تمیز روانہیں رکھتا اور آنکھیں بند کر کے صہیونیت کی حمایت کرتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ امریکی حکومت کو عالمی صہیونیت نے یہی سبق سکھا دیا ہے۔ صہیونیت کا یہی مکروہ چہرہ ہے اور سیاہ کرتوت ہیں جس کی وجہ سے ماضی میں بھی بدنام ہوئے اور اب بھی ان شاء اللہ ناکام و نامراد ہوں گے۔

صہیونیت 2000ء کے بعد اور اس کا انجام پر ان شاء اللہ اگلی نشست میں گفتگو ہوگی۔

ذاتی کتب خانہ

غلام حسین میمن

کہا جاتا ہے کہ کتابیں تنہائی کی بہترین رفیق ہوتی ہیں، یہ خیر و شر سکھاتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر انسانیت کی بھلائی کے لیے جو احکامات وحی کے ذریعے نازل کیے وہ آج کتاب کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہیں جسے قرآنِ مجید کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں انسانی زندگی کے ہر پہلو پر انسانوں کے لیے رہنمائی موجود ہے۔

آپ تعلیم و تربیت کے قارئین ہیں۔ اخبارات اور رسائل کے ساتھ ساتھ آپ کو اچھی کتابوں کے مطالعے کا بھی شوق ہوگا۔ آپ کو چاہیے کہ آپ نہ صرف کتابوں سے محبت کریں، اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں بلکہ ان میں موجود اچھی باتوں پر عمل پیرا بھی ہوں تاکہ آپ ایک کامیاب زندگی گزار سکیں۔ کتاب پڑھنے کے بعد اس کے سفر کو رواں رکھیں یعنی دوسرے دوستوں اور احباب تک پھیلائیں تاکہ علم کا سفر جاری رہے۔

کتاب کو مطالعے کے بعد گھر میں سنبھال کر رکھیں تاکہ ضرورت یا حوالے کے وقت ڈھونڈنے میں پریشانی نہ ہو۔ اس کے لیے آپ کے گھر میں ایک ذاتی کتب خانہ ہونا ضروری ہے۔ آج ہم آپ کو ذاتی کتب خانے کی اہمیت اور اس کے بنانے کے بارے میں تفصیلاً بتائیں گے۔

ذاتی کتب خانہ کا ہر گھر میں ہونا کیوں ضروری ہے؟ یقیناً آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھرا ہوگا...... جبکہ ہر اسکول، کالج اور عوامی سطح پر حکومت اور نجی اداروں نے یہ کتب خانے قائم

(ماخوذ از ''تعلیم و تربیت'' جولائی 2011ء)

کرر کھے ہیں تو پھر علیحدہ سے گھر میں یہ لائبریری کیوں بنائیں......اس سوال کے جواب میں یہ سمجھ لیں کہ عوامی کتب خانے مخصوص اوقات کے لیے کھلتے ہیں، اسکول اور کالج کی لائبریری سے آپ دورانِ تعلیم ہی کتابیں حاصل کر سکتے ہیں جب کہ کتاب انسان کی ایسی رفیق ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ اس کا ساتھ دیتی ہے۔ مطالعے سے انسانی ذہن بیدار رہتا ہے اور اس سے انسان میں ترقی اور دوسروں کی خدمت کا جذبہ بڑھتا ہے۔

فرصت کے لمحات کو ضائع کرنے کے بجائے کسی اچھی کتاب کا مطالعہ نہ صرف آپ کے علم میں اضافے کا باعث بنے گا بلکہ ان لمحات کو بھی یادگار بنا دے گا اور مطالعے کے بعد آپ خود میں ایک نیا جذبہ محسوس کریں گے۔ وقت اور موڈ کے آپ کتاب اور موضوع کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اداسی اور بے جا تفکرات کے بوجھ کو سر سے ہٹانے کے لیے آپ طنز و مزاح پر مبنی کتاب کا سہارا لے سکتے ہیں۔ اپنی معلومات میں اضافے کے لیے معلوماتی کتب اور انسائیکلوپیڈیاز کی لمبی فہرست موجود ہے۔ کتاب کی اہمیت اور افادیت سے کسی کو انکار ممکن نہیں۔

جب آپ اپنا کتب خانہ قائم کرنے کا ارادہ کرلیں تو اس کے لیے گھر میں یا اپنے کمرے میں کوئی جگہ مخصوص کرلیں۔ اس کے لیے الماری یا شلف کا ہونا ضروری ہے تاکہ کتابیں بے ترتیب نہ رہیں اور نہ ہی خراب ہوں۔ ترتیب سے رکھنے کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ ضرورت پڑنے پر اسے تلاش کرنے میں وقت ضائع نہ ہوگا۔

اب دوسرا مرحلہ کتابوں کے انتخاب اور خریداری کا ہے۔ آپ ہر ماہ اپنی جیب خرچ سے کچھ رقم پس انداز کریں اور اگر والدین کی مالی پوزیشن اچھی ہو تو ان سے بھی کتب کی خریداری کے لیے علیحدہ رقم لی جاسکتی ہے۔ کتابوں کے انتخاب کے اس مرحلے پر آپ کو سب سے پہلے اس بات کا یقین کرنا ہوگا کہ آپ سب سے زیادہ کس موضوع پر کتابیں شوق سے پڑھتے ہیں۔ یقیناً ہر قاری اور طالب علم درسی کتب کے علاوہ اپنی پسند کے موضوع پر پڑھنے میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارے لیے قرآن مجید سے بڑھ کر اچھی کوئی کتاب نہیں۔ آپ کتب خانے کا آغاز اس عظیم کتاب سے ضرور کیجیے۔ عربی میں قرآن مجید مع ترجمہ ہو اور تفسیر بھی ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے روشن پہلو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس کے مطالعے سے ہی ہم زندگی گزارنے کے طور طریقے سے آگاہی حاصل کر کے دین و دنیا میں

سرخرو ہو سکتے ہیں۔ سیرت النبیؐ پر بڑے بڑے مؤرخین نے کئی کئی جلدوں پر مشتمل کتابیں لکھی ہیں جو ابھی تو نہیں البتہ جب آپ کالج اور یونیورسٹی میں قدم رکھیں گے تو مطالعہ کر کے سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ادیبوں نے طالب علموں کے لیے بھی سیرت النبیؐ پر کتابیں لکھی ہیں۔ ان کا انتخاب جمع کیجیے۔ دین اسلام کے روشن پہلو، صحابہ کرامؓ اور اللہ کے نیک لوگوں کی زندگیوں پر مبنی سوانحی کتابیں بھی آپ کے ذہن کو منور کریں گی۔ تاریخ پر کتابیں بھی آپ کا انتخاب ہوں تو اس سے زندگی کے کئی مراحل پر فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ تاریخ اسلام بھی اچھا موضوع ہے جس سے باخبر رہنا ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے۔

کہتے ہیں کہ شوق کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ جب آپ اس مشغلے کو اپنائیں گے تو آپ کو اچھی کتابیں خریدنے کے بے شمار مواقع ملیں گے۔ اکثر پبلشرز سالانہ کتابوں کی نمائش کا اہتمام کرتے ہیں جہاں کتابوں کو خوب صورت انداز میں سجا کر رکھا جاتا ہے۔ اس سے قارئین کو دیکھنے اور انتخاب کرنے میں آسانی رہتی ہے۔ کتب کی ایسی نمائش میں کتابوں پر اچھی خاصی رعایت بھی دی جاتی ہے۔ ہر سال دسمبر کے آخر میں کراچی کے ایکسپو سینٹر میں کتابوں کی نمائش کا اہتمام ہوتا ہے جس میں ملکی و غیر ملکی پبلشرز اور بک سیلرز کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے۔ یہاں ایک چھت کے نیچے لاتعداد موضوعات پر کتابوں کا وسیع ذخیرہ مل جاتا ہے۔

لائبریری میں کتابوں کو موضوعات کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ رکھنے کے لیے بہتر ہے کہ آپ شروع ہی سے پیش بندی کر لیں۔ شلف یا الماری کو مختلف موضوعات میں تقسیم کر لیں۔ اگر ایک ہی الماری ہے تو پھر اس کے خانوں کو علیحدہ موضوع کا عنوان دے دیں۔ مثلاً سب سے اوپر کے خانے میں قرآن مجید اور اس کا ترجمہ و تفسیر، سیرت النبی ﷺ پر کتب، اسلام اور تاریخ اسلام کے موضوع پر کتابیں، اس کے بعد نیچے والے خانے میں پاکستان، علامہ اقبال، قائداعظم محمد علی جناح اور تحریک پاکستان کے موضوع پر کتابیں رکھ دیں۔ اس طرح دیگر موضوعات پر اگر کتابیں ہوں تو علیحدہ علیحدہ ترتیب سے رکھیں جن میں شاعری، افسانہ، کہانی، تاریخ، سوانح، سفرنامے، معلومات، انسائیکلوپیڈیا اور لغت وغیرہ ہو سکتی ہے۔ ان خانوں پر مخصوص جگہ پر موضوع کا لیبل بھی لکھ کر لگا دیں۔ یہ ابتدائی کوشش آپ کو بعد کی دشواری سے محفوظ رکھے گی۔

(ماخوذ از ہفت روزہ ندائے خلافت جون 1994ء)

از سید عبدالعزیز بخاری علامہ اقبال ٹاؤن۔ لاہور

دخترانِ ملت کے نام

(ایک دردمندانہ اپیل)

ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں
میرے وطن کی بیٹیو میری نوائے غم سنو!
اک سوز ہے دل میں نہاں اک درد ہے کرتا بیاں
کچھ خدمت اسلام ہو دین و وطن کا کام ہو
مہلت ہے تھوڑی کام کی اٹھ فکر کر انجام کی
راضی خدا ہو اور رسولؐ ہر گام پر ہو یہ اصول
دل میں یہی ہے اک لگن پھولے پھلے اپنا چمن
اسلام ہو اپنا وطن اسلام ہو اپنا وطن!
ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں
تم ہو مسلمان زادیاں اسلام کی شہزادیاں
اسوہ تمہارا ہیں بتولؓ وہ طاہرہ بنت رسولؐ
تہذیب مغرب چھوڑ دو مذہب سے رشتہ جوڑ لو
تہذیب مغرب بے ردا اخلاق سوز و بے حیا
بے پردگی اک زہر ہے گویا خدا کا قہر ہے

شیطان کا یہ جال ہے　　اک فتنہ ہے اک چال ہے
زنجیر باطل توڑ دو　　شیطان کا سر پھوڑ دو

ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں

ایمان ہے دولت تری　　اسلام ہے عزت تری
شرم و حیا عفت تری　　ہے بے بہا دولت تری
رشک گہر عظمت تری　　کوہ صفا غیرت تری
علم و عمل ہے زندگی　　جدوجہد ہے زندگی
ہر دم دواں ہے زندگی　　پیہم رواں ہے زندگی
لیکن ہماری زندگی　　مقصد ہے اس کا بندگی
بے بندگی جو زندگی　　گزرے ہے وہ شرمندگی

ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں

امت کی ہے تقدیر تو　　اس شب کی ہے تنویر تو
اسلام کی تصویر تو　　ایمان کی تفسیر تو
دیکھا جو تھا اقبالؒ نے　　اس خواب کی تعبیر تو
اپنی خودی پہچان تو　　ہے قوم کا دل جان تو
پختہ جو کر ایمان تو　　پھر دیکھ اپنی شان تو
ملت کی تو معمار ہے　　قدرت کا اک شہکار ہے
عزمِ بلند درکار ہے　　پھر سب کا بیڑا پار ہے

ہے زندگی اک امتحاں
آؤ کریں کچھ کام یاں

بحمدہٖ تعالیٰ

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ

اب تک 5 خصوصی اشاعتوں

کا اہتمام کر چکا ہے

1	حقیقت انسان نمبر	دسمبر 2007ء
2	حقیقت علم نمبر	اگست 2008ء
3	احیاء العلوم نمبر	مئی 2009ء
4	دو قومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظام تعلیم نمبر	دسمبر 2010ء
5	حقوقِ نسواں نمبر	جون 2011ء

آپ کی نظر سے اب تک

یہ خصوصی اشاعتیں نہیں گزریں تو رابطہ فرمائیں

ماہنامہ حکمت بالغہ

قرآن اکیڈمی، لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

047-7628561

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے وابستگان اور

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ

کے قارئین کے لیے یہ اطلاع

بڑی خوشخبری

ہے کہ قرآن اکیڈمی جھنگ سے

مطبوعات کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے

جس کے ذریعے حکمت بالغہ میں

شائع شدہ کئی سلسلہ ہائے مضامین

کتابی صورت میں دستیاب ہو سکیں گے۔

اس وقت متعدد مسودات نظر ثانی کے مراحل میں ہیں

ان شاء اللہ اگلی اشاعت میں اس کی

مزید تفصیلات سامنے آ سکیں گی

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

فرمودۂ اقبال

فرمانِ خدا (فرشتوں سے)

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقین سے
کُنجشکِ فرو مایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانئِ جمہور کا آتا زمانہ
جو نقشِ کُہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
کیوں خالق ومخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
حق را بسجودے، صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغِ حرم و دَیر بجھا دو!
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سِلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو
تہذیب نوی کارگہِ شیشہ گراں ہے
آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو